



ماهنامه محدث لاہور

شماره: 17 --- جلد نمبر 2 --- شماره نمبر 6 --- جون 1972ء --- جمادی الاولیٰ 1392ھ

ماهنامه 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماهنامه 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے۔ جس کا نام محدث

تھا کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماهنامه 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور

حافظ عبدالرحمن مدنی نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ 1970ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور

محدثانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شماره: 20 روپے زیر سالانہ: 200 روپے بیرون ملک: 20 ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ 200 روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماهنامه محدث، 99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔ فون نمبر: 35866476 / 3586639 - 042

موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.mohaddis.com www.kitabosunnat.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com



اجرائے محدث کے مقاصد

عناد اور تعصب قوم کیلئے زہرِ بلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاترہ کرافہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوسِ بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے!

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!

لیکن جدوہو دین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ مہکت لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

فہرست

- 2 کھلونے دے کر بہلایا گیا ہوں!
- 4 جائزے
- 7 مادی سائنس اور فلسفے کے شاخسانے
- 11 معرکہ حق و باطل
- 12 مسئلہ سماع
- 18 رحلہ علم
- 26 دینی مدارس کے نصاب اور طرزِ تعلیم پر ایک نظر
- 32 اطاعتِ حق
- 33 امام ابن الصلاح اور ان کی کتاب ”علوم الحدیث“
- 37 ایک عظیم فریضہ اور ہماری غفلت

فکر و نظر

کھلونے دے کر بہلایا گیا ہوں!

ملک و ملت کی صحیح خدمت اور ان کے سلسلہ میں کوئی سنجیدہ کوشش صرف دو ہی طرح پر ممکن ہوتی ہے کہ یا تو سچا جذبہ مسلمانانہ اور خدا خونی کا احساس غالب ہو اور یا قوم پرستوں کی طرح ملک اور قوم کے سلسلہ میں سچی خیر خواہی اور دل سوزی ان میں پائی جاتی ہو۔ ان دونوں کی نشاندہی یہ ہے کہ:

- وہ قوم کی خدمت کرتے ہیں اس کو بہلاتے نہیں۔
- لا کر پیش کرتے ہیں سنا کر کان نہیں کھاتے۔
- قوم کو سیاسی شعور بخشتے ہیں اس کو سبز باغوں کے اندھیروں میں گم صم نہیں رکھتے۔

جس قوم کو مندرجہ بالا صفات کے حامل رہنما مل جاتے ہیں، وہ قوم بہت بڑی خوش نصیب اور سب سے زیادہ سر بلند ہو کر ابھرتی ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا کہ ایسی قیادت کس کس قوم کے حصہ میں آئی ہے۔ ہر قوم کا اپنا فریضہ ہے، جہاں تک ہم پاکستانیوں کا تعلق ہے، ہم لگی لپٹی بغیر یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

”پوری ربح صدی (1/4) میں پاکستانیوں کو یہ دولت ابھی تک ہاتھ نہیں آئی۔ باقی رہی کل کی بات، سو وہ خدا ہی جانے!“

ابھی تک ہم سے جو معاملہ کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے پہلے قوم کو سبز باغ دکھاؤ، پھر مختلف حیلوں بہانوں اور چلبے بولوں کے ساتھ اس کو بہلاؤ، جب تک داؤ چلے، اقتدار کے مزے لو او کسی کا خوب جھولا جھولو، جب اپنی ”پاکی داماں“ کا بھرم کھل جائے اور ناکامی کا منہ زور دیو چنگھاڑنے لگے تو پھر اس کی ساری ذمہ داری کسی دوسرے کے سر پر مڑھ کر چلتے بنو۔ جب دوبارہ الیکشن میں آنا پڑے تو پھر اپنے دور اقتدار کی اقربانوازی اور سیاسی رشوتوں کو ”قومی خدمات“ کے نام پر اچھا لو، ”لگ گیا تو تیر ورنہ نکا۔“

اسلام اور مسلم کے دینی اور دنیوی مفاد اور مستقبل کے تحفظ کے لئے اکابر نے پاکستان کو حاصل کیا لیکن ان کے اٹھ جانے کے بعد جو اصاغر وارث بنے وہ سبحان اللہ نکلے، پورے ملک کو باپ کی جاگیر اذوالہ جی کی کھیر سمجھے، اس پر پاکستانی گھبرائے تو بولے! گھبراؤ نہیں بس ہم آئے۔ لیکن آہ! ہزار بار آئے اور آکر چلے بھی گئے مگر افسوس ان کا ”وعدہ فروا“ کبھی بھی پورا نہ ہوا اور نہ ہی آئندہ اس کے کچھ آثار نظر آتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ کمال عوام کا بھی ہے کہ شکوہ بھی رکھتے ہیں اور کہے بھی جاتے ہیں

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

لیکن ان کے نام پر ”زندہ باد“ کے نعرے بھی لگائے جا رہے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو خوب سمجھتے ہیں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کھلونے دے کر بہلایا گیا ہوں!

ایک دوسرے کو اپنے اپنے شیشے میں اُتارنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور یہ بات کسی بھی ملک کے لئے نیک فال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ملک کی تعمیر و ترقی راعی اور عایا کے حقیقی اور خوشدلانہ تعاون کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتی جو بہ شکلِ موجودہ عنقا ہے کیونکہ دونوں کو ایک دوسرے سے جو نسبت ہے۔ صید و صیاد (شکار و شکاری) کی ہے۔

موجودہ ارباب اقتدار اور ان کے عوام دونوں ہمارے سامنے ہیں اور دونوں نے جس طرح ایک دوسرے کے استحصال کی ٹھان رکھی ہے وہ بھی ان کے تعامل سے بالکل واضح اور عیان ہے۔ پیپلز پارٹی نے پہلے دن جو نعرہ ایجاد کیا تھا، وہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد ان کے گلے کا طوق بن گیا ہے، عوام جھولی پھیلا کر بیٹھ گئے ہیں، یہاں جیب و دامن ہی خالی ہیں۔ سوچا کہ سستے نعروں کا جواب سستی اصلاحات کے ہوائی (نشریات) اعلانات سے ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی عوام کو پھر انہی چکروں میں ڈال دیا جائے، جو انتخابی عہد میں ایجاد کیے گئے تھے لیکن بھوکے عوام ان سے بہلنے کے بجائے مایوسی اور تلخی کا شکار ہونے لگے ہیں۔ اس لئے حکمران ان سستے اعلانات کے ساتھ ساتھ درپیش مشکلات کو بطور معذرت بھی پیش کرنے لگ گئے ہیں۔ مگر اب وہ عوام جنہوں نے ان کے چلبے نعروں کو چوم کر آنکھوں پر رکھ لیا تھا، ان کو تاڑ گئے ہیں، تاہم خود کردہ راعی و رعایا نیست، ابھرنے کے بجائے منقار زیر پر پر ہو رہے ہیں گویا کہ حامیانِ عوام اب پارٹی کی آن کو وقار کا مسئلہ بنا کر مایوسیوں کے کڑوے گھونٹ پینے پر مجبور ہیں لیکن ”تاہم کے“؟

دراصل بات دونوں نہیں سمجھے، لیڈر سمجھے کہ انتخاب میں کامیابی اقتدار کا جھولا جھولنے کے لئے ہے اور عوام سمجھے کہ فصل پک گئی ہے، بس اب صرف کھانے کی دیر ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ اقتدار پھولوں کا تاج نہیں کانٹوں کی تیج ہے، فصل پکی نہیں، بوئی ہے جسے خون سے ابھی سینچنا ہے، کیونکہ ترقی پذیر ملک کے لئے سخت کوشش سپوت اور قوم درکار ہوتی ہے، حلوہِ خور نہیں، مگر افسوس! سیاست میں بھی ”حلوہِ خور“ پیدا ہو گئے ہیں جو محنت سے زیادہ خوش فہمیوں پر گزارا کرتے ہیں۔ اس لئے وہ ”طاؤس و رباب“ پر تو یقین رکھتے ہیں لیکن ”شمشیر و سناں“ کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ وہ انتخابی مہم تھی جس سے اب وہ فارغ ہو چکے ہیں۔ جہاں سوچ کا انداز یہ ہو گیا ہو، وہاں ملک و ملت کے سلسلہ میں ان سے کسی سنجیدہ محنت کی توقع کرنا باعثِ نہیں تو بھول ضرور ہے۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ قوم کو شمشیر و سناں اور سخت کوشی کا درس دیا جائے۔ ان کو جھوٹے وعدوں کے ذریعے ذہنی عیاشی میں مبتلا نہ کیا جائے اور سیاسی جوار یوں کو چاہئے کہ وہ سیاسی ”سٹے بازی“ کو چھوڑ کر ”قوم اور قوموں کی امامت“ کو سمجھیں، خدا کے ہاں اس کے سلسلہ میں سخت باز پرس ہوگی اور بے عملوں کے خلاف قوم کا جو قدرتی ردِ عمل اور احتساب ہوتا ہے، وہ بھی دنیا میں ان کی تاریخ کو سیاہ کر ڈالنے کے لئے کافی ہوتا ہے، اس لئے قوم کو کھلونے دے کر بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ یہ چیز قومی توہین کے مترادف ہے اور قوم کا ذہین طبقہ اس کو اپنی عزت نفس کے خلاف ایک بزدلانہ ”شبنون“ تصور کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جائزے

(۱)

مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات نے کراچی میں نشر پارک میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:
”حکومت مقامات کی زیارت پر سے پابندیاں ختم کرنے پر غور کر رہی ہے۔“

(نوائے وقت ۱۶ مئی ۷۷ء)

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ جناب کوثر نیازی ”مزاجِ خانقاہی“ میں واقعہ پختہ ہو گئے ہیں۔ تاہم یہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے کہ موصوف اپنے سیاسی مستقبل کے لئے سبھی کچھ کر سکتے ہیں، جب تک روٹی کپڑے کے نعرہ سے کام چلا تو اس سے کام لیا۔ چونکہ بوجہ اب اس نعرہ کی دل کشی کم ہو رہی ہے۔ اس لئے ”مزارات“ کے نام پر عوام کے اعتماد کی بحالی کی کوشش فرما رہے ہیں۔ بہر حال اس سلسلہ میں ہم ”گنبد خضراء“ کے مکیں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد ان کے گوش گزار کیے دیتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ موصوف اس ”کاروبار“ کو چھوڑ کر اپنے خصوصی مصالح کے لئے کسی اور دھندے کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

لا تشدد الرحال الا الى ثلثة مساجد، المسجد الحرام ومسجد الرسول ومسجد الاق طی (بخاری ص ۶۲۱، ۶۲۷)

یعنی تین مساجد کے سوا اور کسی مقام کی طرف سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس۔

حضرت شاہ ولی اللہ اس مضمون کی ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

”مترجم میگوید تحقیق در اس جا آں ست کہ در جاہلیت سفر میکردند بموضع متبرکہ بزعم خویش۔ پس آنحضرت ﷺ سد باب تحریف فرمود و سفر را برائے مواضع متبرکہ غیر مساجد بقصد خصوصیت تبرک ہاں مواضع منع فرمود تا امر جاہلیت رواج نہ گیرد، آیائے نبی کہ بصرہ غفاری نہی را شامل طور داشت و ابو ہریرہؓ را از طور منع کرو۔“ (مصنفی شرح مؤطا)

مترجم کہتا ہے کہ اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں لوگ اپنے (وہم پرستانہ) نظریات کے مطابق متبرک مقامات کا سفر کیا کرتے تھے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریک کا سد باب کرتے ہوئے تین مساجد کے سوا یہ قصد تبرک دوسرے متبرک مقامات کے سفر سے منع فرمایا تا کہ امر جاہلیت رواج نہ پکڑے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ حضرت بصرہ غفاریؓ نے اس منع میں کوہ طور کو بھی شامل سمجھتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ کو کوہ طور سے منع کر دیا تھا۔

(۲)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

بیگم نصرت بھٹو کی قیادت میں ایک وفد افغانستان کے خیر سگالی کے تین روزہ دوسرے پر کابل بھیجا گیا تھا کہتے ہیں کامیاب واپس لوٹا ہے۔
خدا کرے ایسا ہی ہو۔

ہمارے ملک میں یہ ایک عجیب رسم چل نکلی ہے کہ مرد کے برسر اقتدار آنے کے بعد اس کی بیوی بھی ”برسر اقتدار“ سمجھی جاتی ہے۔ گو ہم ان سب کی عزت کرتے ہیں لیکن اس سیاسی اعزاز کی کوئی ٹھوس وجہ استحقاق ہمارے سامنے نہیں آئی۔ یہ قیادت دراصل قوم کی امامت ہوتی ہے۔ بہر حال اسلام میں عورتوں کی امامت کے لئے گنجائش نہیں ہے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی پیشوائی پر قناعت کرنے والی قوم کی تباہی کی پیشگوئی بھی فرمائی ہے۔

بیگم نصرت کی ہم عزت کرتے ہیں کیونکہ وہ قوم کی بیٹی ہے لیکن اتنا ہمیں معلوم ہے کہ محترمہ کا سیاسی ماضی معروف نہیں ہے اس لئے ہمارے لئے ان کی نمائندگی پر اد کرنا بہت بڑی جلد بازی اور غیر دانشمندانہ بات ہے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ ”پدرم سلطان بود“ کا نعرہ لگا کر قوم سے ”سلطانی“ کا حق مانگنے یا یہ زور مسلط ہونے کی رسم کا اب خاتمہ ہونا چاہئے۔

(۳)

اطلاع ملی ہے کہ:

”خدائی خدمتگار تحریک کے بانی خان عبدالغفار خاں جو عرصہ دراز سے از خود کابل میں جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے اگلے ماہ واپس پاکستان تشریف لارہے ہیں۔“ (نوائے وقت ۱۴ مئی)

خدا خیر کرے: کیونکہ وہ دل صنم آشکار کھتے ہیں، کہیں رہیں دل ان کا دہلی میں رہتا ہے۔ وہ جتنا عرصہ کابل میں رہے اتنا عرصہ انہوں نے اس کو بھی ”دہلی“ ہی بنائے رکھا اور اب بھی یہی اندیشہ ہے کہ یہاں آکر بھی ”ہاتھ کار کی طرف دل یار کی طرف“ والی بات رہے گی۔ ان حالات میں حکمت کا فریضہ کیا ہونا چاہئے۔ سو یہ وہی جانے، لیکن اتنا ہم ضرور جانتے ہیں کہ اس کا عشرِ عشر بھی اگر کسی اور اسلامی تحریک کے رہنما سے سرزد ہو جاتا تو ”تختہ دار“ سے درے اس کے لئے اور کوئی جگہ نہ ہوتی۔ تاہم، ہم حکومت سے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ وہ ملک کے کسی بھی گوشہ کو ”دہلی“ نہ بننے دے ورنہ ہو سکتا ہے کہ ملک کے چپے چپے میں خان غفار خان، جی۔ ایم۔ سید اور سردار بگتی اگنے لگ جائیں۔ جو لوگ ملک کے غداروں کو پناہ دیتے ہیں وہ بھی غدار ہی ہوتے ہیں۔

(۴)

سرحد کے وزیر اعلیٰ مولانا مفتی محمود نے کہا ہے کہ:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

”صوبائی حکومت جہیز پر پابندی لگانے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فیج رسم ہماری معاشرتی اقدار کے خلاف ہے۔“

(نوائے وقت ۱۶ مئی)

مفتی صاحب کے اس ارادہ خیر کا ہم پر زور خیر مقدم کرتے ہیں۔ لوگ جس قدر جہیز پر زور دیتے ہیں صالح اور اہل رشتہ کی تلاش میں اتنی کاوش نہیں کرتے۔ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ جس خطرہ کا منہ بند کرنے کے لئے لوگ اپنا گھر لٹاتے ہیں، وہ پھر بھی نہیں رکتا، الا ماشاء اللہ، کیونکہ لڑکی خوشگوار گھڑیوں کا ضامن قیمتی جہیز نہیں ہوتا، قیمتی لڑکا ہوتا ہے۔

یہی حال لڑکے والوں کا ہے وہ صالحہ اور باحیاء لڑکی کی تلاش کم کرتے ہیں، مالی لحاظ سے اونچے گھر ڈھونڈتے ہیں جس کا انجام بہت کم اچھا نکلتا

ہے۔

مفتی صاحب موصوف نے وزارت علیا پر فائز ہونے کے بعد صوبہ سرحد میں اُم الخبائث (شراب) کی بندش اور سرکاری زبان اردو قرار مہینے کا اعلان اور چند دیگر اصلاحی اقدامات کے عزم کا اظہار کر کے پوری قوم سے داد حاصل کی ہے۔ گویہ چند جزوی اصلاحات ہیں اور معاشرہ کی مکمل اسلامی تطہیر اور فرد و معاشرہ کی صحیح تربیت کے وسیع کام کا انتظار ہے تاہم یہ دوسرے صوبوں کے لئے ایک اچھی مثال ہے اور مایوس کن حالات میں شمعِ امید ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہم ان کے لئے بہتر مستقبل کی دعائے خیر کرتے ہیں۔ آمین

روشن دور کی تاریکیاں

مادی سائنس اور فلسفے کے شاخصانے

جناب ریاض الحسن نوری (ایم۔ اے)

ان کالموں میں یہ مضمون درس قرآن، جس کی ابتدا ہم نے اپریل ۲۰۰۷ء سے کی تھی، کی قسط نمبر ۲ کی جگہ شائع کیا جا رہا ہے کیونکہ اسے ہم ان شاء اللہ ”اسلامی معیشت نمبر“ میں مسئلہ معیشت کی شرعی حیثیت سے ایک مستقل مضمون کی شکل میں ہدیہ قارئین کریں گے۔ نیز خاص نمبر تک ہم نے درس قرآن کو ملتوی کر دیا ہے کیونکہ اس وقت کئی دیگر مضامین کی فوری اشاعت (جس کا ہم اعلان کر چکے تھے) بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ ہم نے خاص نمبر کے بعد درس قرآن اور درس حدیث دونوں کی مستقل اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔ (دھواں موافق)

کسی گھڑی یا دیواری گھنٹے کے اندر خواہ کتنے ہی خوبصورت پرزے ہوں، کیسی ہی قیمتی دھاتیں استعمال کی گئی ہوں۔ دانش و حکمت کا ان کی ترتیب میں کتنا ہی دخل ہو اور کیسے ہی بڑے سائنس دان اور ماہرین ریاضیات اور انجینئرز اس کی تشکیل میں حصہ دار ہوں، مشینری کی ساری قدر و قیمت کا عین اس کے اس ڈائل سے ہوتا ہے جس پر سوئیوں کی نپی تلی حرکت بہ طور نتیجہ وقت دکھاتی ہے۔ ڈائل پر اگر وقت کا حساب غلط آ رہا ہے، سوئیاں تیز چل رہی ہیں، سست چل رہی ہیں یا کوئی ایک ڈھیلی ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اگر یہ بے قاعدگی مستقل ہو، روز بروز بڑھتی جائے اور ماہر ترین مرمت کار بھی اسے صحت و اعتدال پر نہ لاسکیں تو پھر ڈائل کے پیچھے چاہے سونے چاندی کے پرزے ہوں اور پچاسوں ہیرے کی کنیاں (Jewels) لگی ہوں، گھڑی یا گھنٹے کی وقعت ختم ہو جائے گی۔

بعینہ یہی حالت کسی نظام زندگی یا تہذیب کی ہوتی ہے، وہ بے شمار علمی کارناموں، فلسفیانہ افکار، سائنسی سرگرمیوں، قانونی نظام، معاشی رابطوں، سیاسی ادارت اور کئی دوسری چیزوں سے ترکیب پاتی ہے اور ان چیزوں کو اگر الگ الگ دیکھا جائے تو ہر چیز بڑی قابلِ قدر، عظیم اور مرعوب کن معلوم ہوتی ہے لیکن ان ساری سرگرمیوں، تنظیموں اور اداروں کی اصل قدر و قیمت تہذیب کے ڈائل ہی کو دیکھ کر متعین ہو سکتی ہے۔ تہذیب کا ڈائل اس کی وہ ذہنی و اخلاقی فضا ہوتی ہے جو بتاتی ہے کہ آیا انسان حالتِ اطمینان سے بہرہ مند ہے، یا خوف و اضطراب اور حزن و ملال سے۔ کسی نظریہ یا نظام حیات نے اسے عظمت دی ہے یا اسے پستی میں دھکیل دیا ہے۔ تہذیب کے اس ڈائل پر اعداد و شمار کی سوئیاں آپ کو بتاتی ہیں کہ تشدد، جرائم، جنسی انتشار، خودکشی اور نفسیاتی امراض کا تناسب بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

سائنس کی رہنمائی میں مغرب نے جس مادی نظام حیات کی تشکیل سرمایہ دارانہ بنیادوں پر کی تھی اور جس کی تکمیل اب سوشلزم کی صورت میں ہوئی ہے، اس کے پیچ پرزے بہت قیمتی اور خوبصورت ہیں اور ان پر بڑی محنتیں ہوئی ہیں۔ لیکن ان پیچ پرزوں کا جو نتیجہ تہذیبِ جدید کے ڈائل پر سامنے آ رہا ہے وہ بے حد مایوس کن ہے اور یہ نتیجہ ہی اس بات کی شہادت ہے کہ سرے سے وہ نظریات ہی باطل ہیں جس سے دورِ حاضر کی تہذیبی مشین کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس مشین کے پرزوں کی ترتیب غلط ہے اور ان کی حرکت اور ان کا عمل فاسد ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جدید دور کی نہ صرف رہنما طاقت سائنس ہے، بلکہ سائنس کو لوگوں نے ایک ”الہ“ کی حیثیت دے دی ہے اور سائنس کی پیدا کردہ مشینیں دیویاں اور دیوتا بن کر انسان کو محکوم بنائے ہوئے ہیں۔ سائنس کے نظریات و قیاسات پر ان کے نت تبدیل ہونے کے باوجود ہر شخص بڑی آسانی سے ایمان لے آتا ہے۔ سائنس کے لوگوں نے امرت دھارا کی طرح ہر مرض کے دوا قرار دے لیا ہے بلکہ وہ اسے پیر جی کے تعویذ اور کسی صوفی کے چھو منتر کی طرح عقیدت کا مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ یہ سائنس پرستی خود ایک بڑا روگ ہے۔ یہی روگ نظریات و تصورات کے دائرے میں ماڈرن ازم یا جدیدیت کہلاتا ہے۔

نوخیز اور ترقی پذیر ممالک میں جدیدیت ایک نئے مذہب کی حیثیت میں اٹھ رہی ہے اور نئے مذہب کی حیثیت ہی میں وہ ہر مذہب کو توڑ پھڑ دینا چاہتی ہے۔ جو بھی جدیدیت کے زیر اثر ہے وہ اسے ہانک کر سائنس کے الہ کی پرستش کی طرف لے جاتی ہے مگر اس جدیدیت کے جرمے ہائے رنگیں کی تلخیوں کا جو کرب اس کے مغربی فدا یوں کو درپیش ہے اس کا پوری طرح کسی کو اندازہ نہیں۔

ماڈرن ازم کے مغربی ناقدین:

سی، جی، یونگ نے ایک کتاب لکھی ہے۔ ”جدید انسان روح کی تلاش میں“ (Modern Man in Search of Soul) اس میں وہ سطحیت کی اس بیماری کا تذکرہ کرتا ہے جو ماڈرن ازم کے نام سے پائی جاتی ہے:-

”بہت سے لوگ اپنے آپ کو ماڈرن کہلاتے ہیں۔ خاص طور پر وہ جو نمائشی یا نقلی ماڈرن ہیں۔ پس صحیح قسم کا ماڈرن آدمی بالعموم ایسے لوگوں میں پایا جاتا ہے جو اپنے آپ کو قدامت پسند کہتے ہیں۔“ (ص ۲۲۹)

پھر وہ ماڈرن ازم کی اس نمائشی سطح سے نیچے اتر کر زندگی کے تلخ حقائق کو اس تاثر کے ساتھ نمایاں کرتا ہے کہ خالص مادی تحفظ و اطمینان سے بھی انسان محروم ہو گیا ہے۔ کیونکہ:

”وہ یہ دیکھتا ہے کہ مادی ترقی کا ہر قدم ہولناک تر تباہی کے خطرے میں بہت زیادہ اضافہ کر دیتا ہے (ایٹمی ایجادات اور تباہ کن اسلحہ کو مد نظر رکھتے ہوئے) یہ تصویر احوال تصور کو دہشت زدہ کر دیتی ہے۔

یونگ مغربی تہذیب کی اخلاقی غارت گری کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک واقعاتی تجربہ کو بیان کرتا ہے:

”افریقی مشن تعدادِ ازدواج کو ختم کر کے قہر گری کو رائج کرنے کا باعث بن گئے ہیں۔ صرف یوگنڈا میں ۲۰ ہزار پونڈ سالانہ آتشک و سوزاک کی روک تھام کے لئے صرف ہوتے ہیں اور اخلاقی خرابیوں کی شکل میں جو اصل بربادی ہو رہی ہے وہ اس کے علاوہ ہے اور ان کارناموں کے لئے نیک دل یورپین حضرات اپنے مشنریوں کو تنخواہیں اور انعامات دیتے ہیں۔“ (ص ۶۴۲)

مادی ترقی اور روحانی خلاء:

روحانی خلاء کی وجہ سے مغرب کے مادی معاشرے میں جو شدید ذہنی بے چینی پائی جاتی ہے، اس کا اندازہ وہاں کے واقعاتِ قتل و خود کشی، کثرتِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

جرائم اور نشہ آور اشیاء کے بڑھتے ہوئے استعمال سے لگایا جاسکتا ہے۔

مثلاً سرمایہ دار امریکہ کا حال یہ ہے کہ ہر منٹ میں ایک نہ ایک شخص خود کشی کی کوشش کرتا ہے جو کبھی کامیاب ہوتی ہے، کبھی ناکام۔ تخمینہً اعداد کی رو سے سالانہ ۵۰ لاکھ افراد خود کشی کے راستے پر گامزن ہوتے ہیں جن میں سے ۵۰ ہزار سالانہ یا روزانہ ۱۳۶ افراد خود کشی میں کامیاب رہتے ہیں۔ اسی طرح انگلستان جسے دنیا کے بہت سے سوشلسٹ (جن میں کچھ پاکستانی بھی شامل ہیں) اپنے نظریہ کے مطابق ایک اچھے نمونے کا معاشرہ سمجھتے ہیں، وہاں کی حالت بھی کچھ زیادہ بہتر نہیں۔ انگلینڈ اور ویلز میں ۳ تا ۴ لاکھ افراد خود کشی کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ تعداد زبان حال سے پکارتی ہے۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید

ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

اب ایک نگاہ اپنے معاشرے پر بھی ڈال لیجئے، جہاں اسلام کے اثر کی وجہ سے خود کشی کے واقعات نہ ہونے کے برابر تھے، وہاں اب جتنا جتنا اثر و نفوذ مغربی نظریات اور تہذیب کو مل رہا ہے۔ خود کشی کے واقعات کا تناسب بھی اسی رفتار سے بڑھ رہا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں خود کشی کے ۲۱۷ مقدمات درج ہوئے ان میں سے کچھ تعداد ناکام خود کشیوں کی بھی ہوگی۔

تناسب تقریباً یہ ہے کہ امریکہ میں ایک دن میں جتنے واقعات خود کشی کے ہوتے ہیں، پاکستان میں اتنی تعداد سال بھر کی ہوتی ہے۔ پاکستان میں ابھی تک اسلامی عقائد و روایات کا جو اثر باقی ہے، وہ معاشرے کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ ایک اور مثال لیجئے:

مسٹر پیٹر (Peter Hayes) نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ سوشلسٹ ملک فن لینڈ میں دنیا کے تمام ممالک میں سب سے زیادہ قتل ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر قتل شراب کے زیر اثر کیے جاتے ہیں۔ عبرت کی بات یہ ہے کہ ایک سوشلسٹ ملک کے وہ کارپرداز جو سرمایہ داری اور اس کے پیدا کردہ تعیشات و خرافات کے خلاف نفرت و غصہ جھاڑتے رہتے ہیں۔ ان کا اپنا معاشرہ (خود ان سمیت) شراب اور تمباکو اور جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہے اور ان بلاؤں کی تباہ کاریوں پر نہ صرف ان کی زبانیں گنگ رہتی ہیں بلکہ یہ لوگ خود شراب اڑاتے ہیں اور اسی حالت میں تصویریں کھنچواتے ہیں اور ان مفاسد کے پروپیگنڈا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ لنڈبرگ اور فارنہیم کا حاصل فکر یہ ہے کہ:

”اگرچہ مادی ترقی ایسی بلندیوں تک پہنچ گئی ہے کہ ڈیڑھ سو سال پہلے اس کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بیماری اور دبائیں اس درجہ کم ہو گئی ہیں کہ جتنی امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ مادی طور پر لطف اندوزی کے ساز و سامان اور طور طریقے چاروں طرف اس طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ کہ پہلے سے ایسا اندازہ نہیں تھا۔ بایں ہمہ موجودہ زمانہ میں جہاں تک جذبات اور محسوسات کا تعلق ہے، انسانی تاریخ میں یہ غالباً سب سے زیادہ غم و اندوہ اور پریشانی و اضطراب کا دور ہے۔“

ان مصنفین کا اندازہ یہ ہے کہ امریکہ میں بمشکل ۳۳ تا ۵۰ فیصدی افراد نفسیاتی روگوں سے محفوظ ہوں گے اور وہ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ موجودہ کلچر نے ایسے تشویشناک حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ امریکہ کی آدھی سے زیادہ آبادی، غم و اضطراب کی تاب نہ لا کر ذہنی عوارض میں مبتلا ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

گئی ہے۔ ان حضرات کا ایک اور دلچسپ و جامع اقتباس بھی پڑھ لیجئے:

”بہت سی بیماریوں اور کم عمری کی موتوں اور افلاس سے محفوظ ہوتے ہوئے اور بے مثال قسم کی کثرتِ دولت میں روپے سے کھیلنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت ملول و اندوگیاں رہنے پر بضد ہے۔ یہ لوگ روز بروز اتنے غمزدہ ہوتے جا رہے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ انسان اس سے پہلے بھی اگرچہ نفرت اور جنگ و جدل میں مبتلا رہا ہے۔ لیکن یہ شرف موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ انسان ہی کے لئے مخصوص ہوا ہے کہ وہ تشدد اور دہشت آفرینی کا باقاعدہ ایک اخلاقی نظام بنا ڈالے۔ مارکسزم ناقابلِ صلح نفرت کا مبلغ ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے لئے وہ نہایت ہی آسان نسخہ تجویز کرتا ہے، یعنی موت۔ اس نسخہ کے تحتہً مُشَق بننے والے لاکھوں انسانوں میں صرف سرمایہ دار اور امیر لوگ ہی نہ تھے بلکہ بہ کثرت غریب کا شکار تھے۔ نیز دوسرے پیشوں کے افراد بھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ آخر کار بالشویک پارٹی کے درجہ اول کے لیڈر بھی اس نسخہٴ نفرت کا شکار ہونے سے نہ بچ سکے۔“ (حوالہ ماسبق)

دینِ اشتراکیت کے ایک عظیم دیوتا اسٹالین کی صاحبزادی سوتیلانہ کی کتاب شہادت دیتی ہے کہ سٹالین کے قریب قریب سارے ہی سسرالی رشتے دار یا تو حکومت کے تشدد کا شکار ہوئے، یا حکومت ہی کے پیدا کردہ کرب ناک حالات کے زیرِ اثر موت کا لقمہ بن گئے۔ خود اسٹالین کے بیٹوں کا انجام بھی درسِ عبرت ہے۔

معرکہ حق و باطل

ڈاکٹر محمد انور چوئیاں ضلع لاہور

تم سے دنیا نے اخوت کا سبق سیکھا تھا	شرم کا، مہر و مروت کا سبق سیکھا تھا
تم نے انسانوں کو اک راہ نئی بخشی تھی	جام جم بخشا تھا اور دولت کئی بخشی تھی
آج کیوں تم کو وہ ایام و فایاد نہیں	وہ بزرگوں کا چلن، حکم خدا یاد نہیں
تم کہ صحراؤں کے دل چیر کے رکھ دیتے تھے	تم کہ دریاؤں کے دل چیر کے رکھ دیتے تھے
قوتِ دین کی ضربت سے چٹانیں توڑو	تیر بیکار کرو واد کمانیں توڑو
ہاں کبھی چہرہ تارخ کا غازہ تم تھے	دلِ کوئین میں اک ولولہ تازہ تم تھے
کون کہتا ہے کہ میدان میں ہارے تم ہو	کون کہتا ہے کہ تقدیر کے مارے تم ہو
وہم ہے، غلبہ باطل بھی کبھی ہوتا ہے؟	غیر حق، فتح کے قابل بھی کبھی ہوتا ہے؟
عمر فاروقؓ بنو، حیدر کرار بنو!	گردنِ کفر پہ اللہ کی تلوار بنو
غم و اندوہ کے اس عہدِ دوا سے کیا	کس نے انسان کو آزاد غلامی سے کیا
سایہ کفر میں خورسند ہوئے جاتے ہو	تم کہ ذلت پہ رضا مند ہوئے جاتے ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسئلہ سماع

قسط سوم

مولانا عزیز زبیدی

غنا کے ساتھ شاعری کا بھی تعلق ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اس کا بھی مختصر تعارف کرادیا جائے۔ نیز اس بات کا بھی جائزہ لیا جائے کہ شاعری کے متعلق قرآن حکیم کا نظریہ کیا ہے؟
شاعری گو کتنی ہی نیچرل کیوں نہ ہو۔ اسے مبنی بر حقیقت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اسی لئے قرآن کریم نے اس کی حوصلہ افزائی کی بجائے حوصلہ شکنی کی ہے:

الشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَأَهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهْتَابُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (پ ۱۹۔ الشعراء۔ ع ۱۱)

”شاعروں کی اتباع بے راہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور وہی باتیں کہتے ہیں جو خود نہیں کرتے۔“
بہتر ہو گا کہ یہاں علماء احناف کی ان چند تفاسیر کو بھی نقل کر دیا جائے جو انہوں نے اس آیت کے ضمن میں لکھی ہیں۔ چنانچہ مولانا احمد رضا خاں کے ”کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن“ کے تفسیری حاشیہ ”خزانة العرفان فی تفسیر القرآن“ میں مولانا سید محمد نعیم الدین لکھتے ہیں:

”ہر طرح کی جھوٹی باتیں بناتے ہیں اور ہر لغو و باطل میں منحن آرائی کرتے ہیں، جھوٹی مدح کرتے اور جھوٹی بھجوتے ہیں۔“
مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

”کافر لوگ پیغمبر کو کبھی ”کاہن“ بتاتے اور کبھی ”شاعر“ سو فرمایا کہ شاعری کی باتیں محض تخیلات ہوتی ہیں۔ تحقیق سے اس کو لگاؤ نہیں ہوتا، اس لئے شاعرانہ باتوں سے بجز گرمی محفل یا وقتی جوش اور واہ واہ کے کسی کو مستقل ہدایت نہیں ہتی، حالانکہ اس پیغمبر (ﷺ) کی صحبت میں قرآن سن سن کر ہزاروں آدمی نیکی اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کر چکے ہیں (یعنی اگر آپ شاعر ہی ہوتے تو ایسا کبھی نہ ہوتا)
شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے اور جاکر مل تو پرلے درجہ کے نامرد وار ڈرپوک یاد کیھنے میں تو ہٹے کٹے اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساقط ہو چکیں صرف قبض روح کا انتظار ہے۔ حالی نے مسدس میں ان کے جھوٹ کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔“ (حاشیہ عثمانی)

مولانا شبیر احمد عثمانی نے حالی مرحوم کی مسدس کے جس حصہ کا ذکر کیا ہے۔ قارئین بھی اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

وہ شعر اور قصائد اور ناپاک دفتر	عفونت میں سنڈ اس سے جو ہے بدتر
---------------------------------	--------------------------------

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

زمین جس سے ہے زلزلہ میں برابر	ملک جس سے شرما تے ہیں آسمان پر
ہو علم و دیں جس سے تاراج ہمارا	
وہ ہے ہفت نظر علم انشا ہمارا	
براشعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے	عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے	مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے
گنہگار و ال چھوٹ جائیں گے سارے	
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے	
جو سقے نہ ہوں، جی سے جائیں گزر سب	ہو میلا جہاں، گم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب	جو تھڑ جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب
پہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے	
کہیں مل کے ”خس کم جہاں پاک“ سارے	

آوارہ شاعری:

روزِ ازل ہی سے شیطان نے اپنے اس پروگرام کا اعلان کر دیا تھا کہ وہ خلقِ خدا کو خیالی دنیا میں غرق رکھنے کی کوشش کرے گا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا ضَلٰلَہُمْ وَلَا مَرٰہِمُ

”میں ہر حال میں ان کو بہکاؤں گا اور آرزوؤں میں ان کو غرق رکھوں گا۔“

اور شیطان کا یہ پروگرام آوارہ شاعری کے ذریعے بہ کمال خوبی و سہولت تکمیل پاتا ہے۔ کیونکہ دراصل آوارہ شاعری الہاماتِ شیطان کا چربہ، شیطان کے نزول کا مہبط اور ابلیس کی دل چسپیوں کا مرکز ہوتی ہے چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت ہمارے اس بیان کی خوب خوب تائید کرتی ہے:

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیْطٰنُ تَنَزَّلُ عَلٰی الْاَفَّاكِ اَیْمِیْ یُلْقُوْنَ السَّحَرُ وَاَکْثَرُہُمْ کٰذِبُوْنَ
 (”اے پیغمبر! سُنّی اللہ! ان لوگوں سے)، کہیے، کہ کیا میں تمہیں اس بات کے متعلق بتاؤں کہ شیطان کن لوگوں پر اترتا کرتے ہیں۔ یہ (شیطان) انہیں لوگوں پر اترتے ہیں، جو جھوٹے، جعل ساز اور بد کردار ہوتے ہیں، کیونکہ شیطان سنی سنائی بات (ان پر) القا کر دیتے ہیں اور ان میں بہتیرے (توڑے) جھوٹے ہوتے ہیں۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اور یہ جھوٹے، جعل ساز، بدکردار اور سنی سنائی باتوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے والے آوارہ شاعر ہی ہیں جیسا کہ ابتدائے مضمون کی (پہلی) آیت سے ظاہر ہے۔

آوارہ شاعری جہاں دروغ بے فروغ، جعل سازی وار بدکرداری پر مبنی ہے وہاں یہ انسان کی فطری صلاحیتوں کے لئے بھی زہر ہلاہل ثابت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جب آدمی ہوائی قلعے تعمیر کرنے اور خیالی پلاؤ پکانے میں ہر دم مستغرق رہے گا تو وہ دنیائے عمل سے کٹ کر رہ جائے گا۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جو لوگ دنیائے شاعری کے جام و سبو میں پڑ جاتے ہیں کچھ عرصہ بعد پوستیوں کی سی مفلوج زندگی گزارنے لگتے ہیں۔ جہاں درد و آلام ان کا مقدر بن جاتے اور دکھوں اور غموں کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور جن سے گلو خلاصی پانے کی خاطر یہ دوبارہ اسی ایون (موسیقی) کا سہارا لیتے ہیں۔ کس قدر بے وقوف ہیں یہ لوگ جو شاعری کی محض خیالی دنیا کا سہارا لے کر اور موسیقی کی دھنوں میں سرمست رہ کر آخرت کی تلخیوں پر بھی فتح پانے کی سوچ رہے ہیں۔!

شاعری کے الزام سے براءت:

شاعری قرآن حکیم کے نزدیک ”مقام عزیمت“ نہیں ہے۔ بعض شرائط کے ساتھ صرف ایک ”مقام معذرت“ ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ کو شاعری کے الزام سے اپنے پیغمبر کی برأت کا التزام کرنا پڑا۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (پ ۲۳۔ لیس۔ ع ۵)

”اور ہم نے آپ کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی شاعری آپ کے شایانِ شان ہے۔“

اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ:

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ

”قرآن مجید (جس کو شاعری قرار دے کر آنحضرت ﷺ کو شاعر قرار دیا گیا) تو صرف ذکر اور قرآن مبین ہے۔“
یعنی شاعری تو مدہوشی کا نام ہے جبکہ قرآن حکیم واضح علیماں و حقائق کا ایک مرقع اور عملی دنیا کا بہترین محرک ہے تو پھر تک بندی کو حقائق سے اور غفلت کی مستی کو جہد و عمل کی دنیا سے کیا نسبت؟

شاعر خدا پر کمندیں ڈالتا ہے اور قرآن خود ”کمند خدا“ ہے، جو اس کی گرفت میں آگیا وہ دنیا جہاں کی گرفتاریوں سے چھوٹ گیا، لیکن بے چارے شاعر اپنی ہی کمندوں میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور اپنی ساری زندگی تباہی و بربادی کی نذر کر دیتے ہیں۔ آخرت کا ابھی کچھ پتہ نہیں کہ کیا بنے؟

الغرض شاعری ایسا کلام ہے جس کو غنا کی سان پر چڑھا کر مزید دو آتشہ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنی کلام بجائے خود ”ہوائی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دنیا“ ہے اور ”غنا“ اس کے لئے وہ بال و پر ہیں جو رہی سہی کسر بھی پوری کر دیتے ہیں۔ غنا تو ایک ایسا امرت دھارا ہے جو نثر کو بھی شاعرانہ موزونیت کا جامہ پہنا کر وہ زیر و بم عطا کر دیتا ہے جو ”تان سینوں“ کی بے خداتانوں کی جان ہے۔ جہاں عالم یہ ہو، وہاں غناء کے سلسلہ میں کسی حسن ظن سے کام لینا فریبِ نفس نہیں تو اور کیا ہے؟

اجازت کی ایک صورت:

قرآن حکیم نے صرف اس شاعری کی اجازت دی ہے جو:

1. مبنی بر ایمان ہو یعنی محبوب برحق کی توحید (یکتائی) کی غماز ہو۔
 2. عمل صالح کی حامل ہو یعنی شمع کے پروانے کی طرح اس کے عمل میں سچی لگن اور لپک ہو۔
 3. کثرتِ یادِ الہی کی موجب ہو جس سے ایسا محسوس ہو کہ کوئی طالب اپنے مطلوبِ برحق و یکتا کی یاد میں جھوم رہا ہے۔
 4. جس میں مظلومانہ فریاد ہو، جیسے کوئی راہِ حق میں حائل ہونے والی رکاوٹوں اور مصیبتوں سے میساختہ تکلما اٹھتا ہو۔
- إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا (پ ۱۹۔ آخر سورہ الشعراء)
- ”ہاں! (ان لوگوں کی شاعری مستثنیٰ ہے) جو اہل ایمان ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور (اپنے اشعار میں) کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں اور مظلومی کے بعد (واجبی سا) بدلہ لیتے ہیں۔“

ایمان و عمل صالح کی رعنائیاں اور روح القدس کی تائید:

ظاہر ہے ایسی شاعری جس میں ایمان و عمل صالح جیسی دنیا و آخرت کی لطافتیں اور رعنائیاں موجود ہوں آوارہ شاعری کی حد پر واز سے بھی کہیں آگے ہیں۔ ایسی شاعری اپنی ممکنہ مبالغہ آرائی کے باوجود ملاءِ اعلیٰ کی مثالی کائنات سے بھی ورے اور کہیں ورے رہتی ہے۔ یہ وہ مبارک شاعری ہے کہ جس کو روح القدس (جبریل امین) کی بھی تائید حاصل ہے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابتؓ (شاعرِ رسول ﷺ) دشمنانِ رسول کو آپ کی حمایت میں دندان شکن جواب دیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ خوش ہو کر فرمایا کرتے تھے۔

ان روح القدس لا يزال يريداك ما نأفحت عن الله ورسوله (مسلم، فضائلِ حسانؓ)

”روح القدس سدا آپ کی تائید کرتے رہیں گے، جب تک آپ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دفاع کرتے رہیں گے۔“

حضرت حسانؓ بن ثابت کی یہ شاعری رجزیہ تھی جس کی تائید جبریل امینؑ نے فرمائی۔ نمونہٗ آپ کے چند اشعار ہدیہٗ قارئین کرام ہیں:

۱: هَجَوْتُ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ	وَعِنْدَ اللَّهِ فِي ذَلِكَ الْحِزَاءِ
۲: هَجَوْتُ مُحَمَّدًا أَبْرًا تَقِيًّا	رَسُولَ اللَّهِ شِمَحْتُهُ الْوَفَاءِ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

۳: فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَيْ عَزْرَضِي	لِعِزِّضٍ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وَقَاء
۴: ثَكَلْتُ بِنِيَّتِي إِنْ لَمْ تَرَوْهَا	تُثِيرُوا النَّفْعَ غَايَتُنَا كَدَاء
۵: يُبَارِئِنِ الْأَعِنَّةَ مُصْعِدَاتٍ	عَلَى أَكْتَانِنَا الْأَسْلُ الْظَّعَاء
۶: تَقْلُ جِيَادُنَا مُتَمَطِّرَاتٍ	تَلْطِمُهُنَّ بِالْخُبْرِ النَّسَاء
۷: فَإِنْ أَعْرَضْتُمْ عَنَّا اعْتَمِرْنَا	وَكَانَ الْفَتْحُ وَانْكَشَفَ الْخِطَاء
۸: وَإِلَّا فَاصْبِرْ وَالِصْرَابُ يَوْمٍ	يُعِزُّ اللَّهُ فِيهِ مَنْ يَشَاءُ
۹: وَقَالَ اللَّهُ قَدْ أَرْسَلْتُ عَبْدًا	يَقُولُ الْحَقَّ لَيْسَ بِهِ فِغَاءُ
۱۰: وَقَالَ اللَّهُ قَدْ سَيَّرْتُ جُنْدًا	هُمُ الْأَنْصَارُ عِزُّهُمْ الْإِلْقَاءُ
۱۱: لَنَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مِنْ مَعَدٍ	سَبَابٌ أَوْ قِتَالٌ أَوْ هِجَاءُ
۱۲: فَمَنْ يَهْجُو رَسُولَ اللَّهِ مِنْكُمْ	وَيَمْدَحْهُ وَيَنْصُرْهُ سَوَاءُ
۱۳: وَجَبْرِيْلُ رَسُولُ اللَّهِ فِيْنَا	وَرُوحُ الْقُدُسِ لَيْسَ لَهُ كِفَاءُ

1. تو نے محمد ﷺ کی برائی بیان کی میں نے اس کا جواب دیا اور اس کا بدلہ اللہ کے پاس ہے۔
2. تو نے محمد ﷺ کی برائی بیان کی جو نیک اور متقی ہیں (وہ) اللہ کے رسول ہیں، ایفاء عہد آپ کی عادت و فطرت ہے۔
3. میرے والدین اور میری آبرو محمدی و قار کے تحفظ کے لئے قربان ہے۔
4. اگر کد اگھائی کی دونوں اطراف میں گرد و غبار نہ اڑائے تو میں اپنی جان کو روؤں۔
5. منہ زور گھوڑیاں، کندھوں پر چڑھتے ہوئے برچھے ہیں یا خون کی پیاسی ہیں۔
6. تیز دوڑتے ہوئے ہمارے گھوڑے آئیں گے، جن کے منہ ہماری عورتیں اپنی اوڑھنیوں سے صاف کریں گی۔ (خون و غبار آلود منہ)
7. اگر تم نے ہم سے منہ پھیر لیا (تو) ہم عمرہ کر لیں گے۔ فتح ہو جائے اور پردہ اٹھ جائے گا۔
8. (نہیں تو) صبر کرو اس دن کی مار کے لئے، جس دن اللہ جسے چاہے گاعزت دے گا۔
9. اللہ نے فرمایا میں نے ایک بندہ (رسول) بھیجا جو حق کی بات کہتا ہے جو شک و شبہ سے بالاتر ہے۔
10. اللہ نے فرمایا میں نے انصار کا ایک لشکر تیار کیا جس کا مقصد و مطلوب کفار سے مقابلہ و جہاد کرنا ہے۔
11. ہم ہر روز کسی نہ کسی تیاری میں ہوتے ہیں (کفار کی) گالیوں (کا جواب) یا ان سے جہاد یا (دفاعی) ہجو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

12. تم میں سے جو بھی اللہ کے رسول کی ہجو کرے اور جو مدح یا مد کرے سب برابر ہیں۔

13. اللہ کے پیارے جبریل اور بے مثل روح القدس ہم میں موجود ہیں۔

یہ وہ شاعری ہے جس کی اسلام میں گنجائش رکھی گئی ہے اور وہ بھی مجاہدین اسلام اور عشاقِ رسول ﷺ کے لئے، بازاروں، فٹ پاتھوں اور میلوں کے ہجوم میں چبوتروں پر نہیں بلکہ دینی حرب و ضرب کی فضاؤں اور میدانوں میں۔ زیر سایہ رسول، خانہ خدا میں یا صدیقی، فاروقی اور حیدر مجموعوں میں۔ گانے والا احسان بن ثابتؓ جیسا قدسی صفات صحابی ہو اور داد دینے والے محمد رسول اللہ ﷺ اور جبریل امین ہوں۔ کیا آپ اس پاک شاعری اور معصوم سے غنا و سماع سے اس ناپا شاعری، شوخ غنا اور محرک موسیقی کے لئے سنجہ جواز کے طالب ہیں جو تماش بینوں، بے خدا اور بے رسول مشنڈوں اور بازاری نتھوؤں پتھوؤں کے مجموعوں میں یا سینما ہال اور کلب جیسی عیاش فضاؤں میں، نینا اور ملکہ ترنم جیسی فتنہ پرور مغنیوں کی تانوں میں کہی اور سنی جاتی ہے؟

سخن شناس نہ دلبرِ خطا اینجا است

خمارِ غناء و نشہ موسیقی:

شوخی غنا اور آوارہ موسیقی کے رسیا اس سادہ تفریح سے ذرا آگے بڑھ کر جب ”رنگیلے شاہوں“ کی بستی میں جا پہنچتے ہیں اور نفس و طاغوت کی غلامی میں اپنے تئیں جکڑ لیتے ہیں تو لطف و سرور، دماغی عیاشی اور جنسی کشافوں سے پیار ان کا مقصد حیات بن جاتا ہے۔ جس قدر ان کے اس کیف و خمار کی چاشنی دو آتشہ ہوتی چلی جاتی ہے، اسی قدر وہ خدا سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور نتیجہً وہ ”ضلال بعید“ کے اس گڑھ میں جا گرتے ہیں جہاں پہنچ کر وہ نہ صرف احساسِ زیاں کھو بیٹھتے ہیں بلکہ فواحش، منکرات اور نفسِ ہولے کی ضیافتِ طبع کے یہ گندے سامان ان کو ”حسنات“ محسوس ہونے لگتے ہیں۔ ان کی فکر و عمل کی قوتیں صرف مادی مفاد اور کام و دہن کی لذت آشنائیوں کی مرہونِ منت ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے لئے کسی چیز میں کوئی دل کشی باقی نہیں رہ جاتی، کیونکہ وہ جن بے قابو تانوں اور بے خدا نغموں کی دنیا میں کھو جاتے ہیں وہاں نیکی اور شرافت کی کوئی آواز انہیں سنائی نہیں دیتی، اور نہ ہی اس سے مختلف کوئی حسین تصور ان کے ذہنوں میں سما سکتا ہے۔ ایسے لوگ مادی ترقی اور اڑانوں میں تو وہم و گمان کی حد پر واز سے بھی آگے نکل جاتے یا نکل سکتے ہیں لیکن ”قبلہ دل“ کی طرف سفر تو کجا، اس کی طرف مڑ کر دیکھنا بھی انہیں نصیب نہیں ہوتا۔ (باقی آئندہ)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رحلہ علم

قسط نمبر: ۳

مولانا ثناء اللہ بلتستانی

قارئین کرام محدثین کے چند رحلات علم کے ذکر سے ان کی مشقتوں کا اندازہ فرما چکے ہیں۔ تاریخ امم میں مسلمانوں کے اس عظیم کارنامہ کی مثال نہیں ملتی جس کا اعتراف غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ واقعی کسی انسان کی پوری زندگی کے اقوال و افعال کا اس طرح جمع ہونا ایک معجزہ ہے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے محدثین کے ہاتھوں قرآن مجید کی طرح اس کی تفسیر و تعبیر یعنی حدیث بھی محفوظ فرمادی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی انتھک کوششیں صرف سرکار مدینہ ﷺ کی سیرت کی خاطر ہی کی جاسکتی تھیں جو کل دنیائے انسانیت کے لئے ایک کامل نمونہ اور واجب الاتباع ہو۔ ان رحلات کی داغ بیل تو اگرچہ محدثین نے ڈالی لیکن اس سے دوسرے علوم کی تحصیل کے لئے لوگ دور دراز کے سفر کرنے لگ گئے۔ خصوصاً جملہ اسلامی علوم و فنون کے لئے عموماً یہی رواج رہا کہ طالبان علم ہر قسم کے علوم کی تحصیل کے شوق میں علماء اور ان کی مجالس کا رخ کرتے رہے (اور آج بھی جبکہ علماء کی مجالس کی بجائے مستقل مدارس کا رواج چل نکلا ہے، شائقین دور دراز کے علاقوں سے ان مقامات یا مدارس کا رخ کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں مشہور ہوں اور اسے حصول علم کا ایک بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ توریث میں بھی حضرت موسیٰ کا یہ قول منقول ہے کہ علم بھوک اور سفر میں ہے جبکہ لوگ اسے شکم سیری اور حضر (وطن) میں تلاش کرتے ہیں) اس لئے اب ہم ان اشخاص کا ذکر بھی مناسب سمجھتے ہیں جنہوں نے دوسرے علوم کی تحصیل کی غرض سے سفر کئے۔

رحلہ فقہاء:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ خیر القرون میں علماء کی اکثریت جامع العلوم ہوتی تھی اور شرعی امور میں انہی کے اجتہاد و تفتہ پر اعتماد کیا جاتا تھا اور یہ علماء شرعی علوم (علوم عالیہ مثل قرآن، حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ) ہوں یا علوم عربیہ (علوم آلیہ) سب کتاب و سنت کی خدمت ہی کی غرض سے سیکھتے تھے اور ان سے کتاب و سنت میں اجتہاد کر کے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اس لئے یہی لوگ فقہاء تھے (جیسا کہ شاہ ولی اللہ کے الفاظ ”فقہاء محدثین“ جو انہوں نے اپنی ایک وصیت میں ان کا طریقہ پسند فرماتے ہوئے اسے اختیار کرنے کے متعلق کہے، سے بھی ظاہر ہے) لیکن بعد کے ادوار میں جیسا کہ حدیث اور تفسیر نے علیحدہ علیحدہ فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ اسی طرح فقہ و قانون کا شعبہ بھی الگ شمار کیا جانے لگا اور چونکہ اجتہاد اور استنباط مسائل کے لئے سفر کی مشکلات کے بجائے حضر کے آرام اور یکسوئی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اس سلسلہ میں وہی لوگ گھر بار چھوڑتے ہیں جو شوق علم میں علماء یا مدارس کے متلاشی ہوتے ہیں۔ یا وہ لوگ علماء کرام اور مفتیانِ عظام کی طرف سفر کرتے ہیں جن کو کسی اہم مسئلہ میں ان کی ضرورت ہوتی ہے اور ظاہر ہے یہ ضرورت ایسے ادوار میں بہت کم پیش آتی ہے جبکہ علم کا دور دورہ ہو۔ اس لئے فقہاء محدثین کے علاوہ دوسرے فقہاء کے علمی رحلات بہت کم ہیں۔

مثلاً فقہاء میں زیادہ شہرت ائمہ اربعہ کو حاصل ہے لیکن ان میں سے علمی سفر زیادہ تر امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ، جن کا شمار فقہائے محدثین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں ہوتا ہے نہ کیے ہیں اور جہاں جہاں گئے وہاں اپنے علمی اثرات بھی چھوڑے، لیکن اس کے برعکس امام ابو حنیفہؒ کا صرف ”سفر حجاز“ ہی ثابت ہے لیکن وہ بغرض حج بھی ہو سکتا ہے اور امام مالکؒ نے تو مدینہ منورہ کو اس طرح لازم پکڑا کہ وہیں کے ہو کے رہ گئے، وہ اشد ضرورتوں میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ کرتے تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ حصول علم کے لئے انہیں کسی دوسری جگہ جانے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ ان دنوں مدینہ میں تابعین علماء کی اک بڑی اکثریت موجود تھی۔

رحلہ مؤرخین:

علوم شرعیہ میں چوتھا نمبر علم تاریخ کا ہے۔ جس میں گزشتہ واقعات و حادثات اور مشاہیر کے حالات بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کا ایک مستقل حصہ تو علم اسماء الرجال ہے جس میں راویان حدیث کی زندگی زیر بحث آتی ہے تاکہ ان کی تعدیل یا جرح سے حدیث کی صحت و ضعف معلوم ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ کام محدثین کا ہے جنہوں نے نہ صرف راویان حدیث کے حالات معلوم کرنے کے لئے دور دراز کے سفر کیے بلکہ نقد و جرح کے اصول وضع کر کے ”مصطلح الحدیث“ کا ایک مستقل علم ایجاد کیا۔ علم تاریخ کے اس شعبہ کے لئے تو محدثین کے رحلات کا ذکر گزر چکا ہے اور متقدمین و متاخرین کی عظیم الشان تصنیفات اس کی عظمت اور اہمیت پر شاہد ہیں۔ باقی رہے دین و دنیا کی ممتاز شخصیتوں کے حالات زندگی تو اس سلسلہ میں بھی بہت بڑا کام محدثین ہی نے کیا کیونکہ علم تاریخ بھی شرعی علم اور قرآن کریم کے پڑگانہ علوم میں سے ایک ہے بلکہ محدثین نے اپنے ذوق تحقیق سے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ انہی کے فیض کرم سے اس علم کو اعتماد و وقار حاصل ہوا۔ گویا علم تاریخ میں تحقیق و تنقید کی یہ ریت ڈالنا مسلمانوں کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ لیکن محدثین کے علاوہ کئی دوسرے مؤرخین نے بھی اس سلسلہ میں سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق تاریخ کے مختلف حصوں پر مشتمل معلوماتی مواد اکٹھا کیا۔ اگرچہ یہ لوگ تحقیق و تنقید کا محدثانہ معیار تو قائم نہ رکھتے تھے تاہم علماء نے ان کے کام کی قدر کی اور اسے تاریخ میں شامل رکھا کیونکہ تاریخ کا وہ حصہ جسے کوئی شرعی حیثیت حاصل تھی، اسے تو محدثین نے حدیث ہی کا حصہ بنا دیا تھا جس کی چھان بھٹک بھی محدثانہ معیار پر تھی۔ باقی حصہ کو اسلام کے اصولی مسائل (فقہ اکبر) اور حرام و حلال (فقہ اصغر) کے لئے ناقابل استناد قرار دے کر عام تاریخ شمار کیا جس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ واقعات کا کچھ تفصیلی خاکہ ہمارے سامنے آجاتا ہے جو نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے کا مصداق ہے۔ نیز وہ شخصیتیں جو اگرچہ دینی نہیں لیکن اپنی دنیاوی اہمیت کی وجہ سے دین و شریعت پر اثر انداز ہوتی رہی ہیں ان کا سوانحی خاکہ اگر یقینی حیثیت میں نہیں تو اس تفصیل سے ان کے متعلق اجمالاً اتنا علم ضرور حاصل ہو جاتا ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ اس طرح علم تاریخ سے سابقہ تجربات کا فائدہ بھی ملتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ تاریخ کے لئے باوجود محدثانہ معیار قائم نہ رکھنے کے مسلمانوں نے اصول روایت کا اتنا معیار ضرور ملحوظ رکھا ہے کہ تاریخ جاہلیت کی طرح بے سرو پا کہانیوں اور بے سند قصوں کا مجموعہ نہ رہ جائے۔ جن علماء نے تاریخ دانی میں ایک مقام حاصل کیا اور کتب تاریخ بھی تصنیف فرمائیں ان میں سے بخاریؒ، طبریؒ، ابن سعدؒ، ابن ہشامؒ، ابن عبد البرؒ، ابن حزمؒ، ابن اثیرؒ، ابن کثیرؒ، ابن حجرؒ، ابن تیمیہؒ، ابن القیمؒ، ابن خلدونؒ، خطیب بغدادیؒ اور سیوطیؒ کی کتب سیر و تواریخ خصوصی طور پر قابل اعتماد اور علماء کے ہاں متداول ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

علم تاریخ سے قریبی تعلق رکھنے والا ایک علم، علم جغرافیہ ہے جس میں مشاہیر زمانہ کے بجائے حالات مقام و مکان سے متعلق بحث ہوتی ہے اور مختلف خطوں اور علاقوں کی خصوصیات کا ذکر ہوتا ہے۔ اگرچہ فی زمانہ اس سلسلہ میں یورپ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے لیکن مسلمان سیاحین کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کام کی ابتداء مسلمانوں نے ہی کی اور اپنے ترقی یافتہ دور میں انہوں نے بڑے بڑے کارنامے سر انجام دیئے / مثلاً مشہور مسلمان جہاں پیتا ابن بطوطہ کا ایک واقعہ ان کے دور دراز کے سفر اور سیاحت کا پتہ دیتا ہے، وہ یہ کہ جب ابن بطوطہ سکندریہ پہنچے تو شیخ برہان الدین اعرج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نے دوران ملاقات اپنے تین بھائیوں کو، جن میں سے ایک فرید الدین نامی ہند میں تھے، دوسرے زین الدین سندھ میں اور تیسرے برہان الدین چین میں تھے۔ سلام پہنچانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے ان سب کو فرداً فرداً مل کر ان کا سلام پہنچایا۔ افسوس! کہ آج مسلمانوں کے زوال و انحطاط کے ساتھ ہی اس کام کے امین غیر بن گئے ہیں جس کی وجہ سے ان کے یہ عظیم الشان کارنامے بھی گوشہ گمنامی میں چلے گئے۔

رحلہ ادب:

مسلمانوں کی الہامی کتاب ”قرآن“ اور ان کے پیشوا محمد رسول اللہ (ﷺ) کی زبان چونکہ عربی تھی اس لئے کتاب و سنت کے فہم و بصیرت کے لئے عربی زبان کی واقفیت نہایت ضروری ہے مسلمانوں نے اس کا احساس کرتے ہوئے اور عربی ادب کو دین سمجھتے ہوئے اس کی بڑی خدمت کی اور اسے نہ صرف سیکھا سکھایا بلکہ اس کے لئے بڑے بڑے علوم ایجاد کیے۔ صرف و نحو، بلاغت، عروض و قوافی، لغت وغیرہ بیش بہا قیمتی علوم مسلمانوں ہی کے وضع کردہ ہیں۔ جہاں تک اصل عربی ادب و زبان کا تعلق ہے۔ اس کے لئے دورِ جاہلی صدر اسلام اور اموی دور بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دوران شعر و شاعری اور لغت و ادب کا مرکز زیادہ تر حجاز ہی رہا اور باقی قبائل کی حیثیت ثانوی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم بھی لغتِ حجاز ہی میں نازل ہوا اور اسی لے کتاب و سنت کے فہم کے لئے بطور استناد اسی دور کی زبان پیش کی جاسکتی ہے۔ لیکن بعد میں مؤلِّدین کی کثرت کی وجہ سے اور شہری ماحول اور قوموں کے کثیر اختلاف کی وجہ سے زبان کا وہ معیار قائم نہ رہ سکا۔ تاہم اس تبدیلی کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کا ایک جم غفیر عربی زبان کے تحفظ کے لئے میدان میں نکل آیا جن کی کوششوں سے بیسیوں نئے علوم معرض وجود میں آئے۔

بقول علامہ فرید وجدی (صاحب دائرۃ المعارف) سب سے پہلے جس نے اس سلسلہ میں سفر اختیار کیا وہ یونس بن حبیب (متوفی ۸۳ھ) تھے۔ ان کے بعد مشہور شاعر خلف الاحمر تھے جنہوں نے صرف عربوں کی شعر و شاعری اور ان کے اصلی حالات معلوم کرنے کے لئے بدوؤں سے ملاقاتیں کیں اور ان کے ہاں رہے۔ انہوں نے ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے بعد مشہور نحوی خلیل بن احمد نے قبائل عرب سے مل کر ان کی مادری اور اصلی زبان کی چھان بین کی۔ ان کا سن وفات ۱۷۵ھ ہے۔ ان کی پیروی میں ابو زید انصاری (متوفی ۲۱۵ھ) نے عرب علاقوں کا سفر کیا اور بدوؤں سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ یہ سلسلہ چوتھی صدی ہجری تک چلتا رہا۔ پھر عرب دیہات کی زبان بھی دست برد زمانہ سے نہ بچ سکی۔ نیز عربی زبان اور اس کے متعلقہ علوم مدون ہو کر عربی ادب اس قدر محفوظ ہو چکا تھا کہ پھر بغرضِ تدوینِ رحلہ کی ضرورت بھی نہ تھی۔ اگرچہ بعد میں علیم و تعلیم کی غرض سے یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سلسلہ جاری رہا لیکن اس کے لئے کوئی علاقہ مخصوص نہ رہا۔

اس دور میں اس بات کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہو گا کہ عربی زبان و ادب میں احتیاط کا یہ عالم تھا (مثلاً بعض ادباء سے منقول ہے) کہ جو ادباء زبان کی تعلیم کی غرض سے شہروں میں آتے تو علماء پہلے ان کا امتحان لیتے۔ اگر وہ شہری زبان سے ناواقف ہوتے تو ان سے اخذ علم کرتے ورنہ ان سے نقل کرنا احتیاط کے منافی سمجھتے۔ پھر جب شہریوں کے ساتھ اختلاط سے یہ لوگ شہری زبان سے خوب واقف ہو جاتے تو ان سے عربی زبان سیکھنا بند کر دیتے۔ جاہلی شہر کا کلام حفظ کرنے والے تو بہت ہیں لیکن یہاں رحلہ کے اعتبار سے ان کا ذکر غیر متعلق ہے۔ ہاں رحلہ تعلیم و تعلم کی چند ایک مثالوں کا ذکر مناسب رہے گا۔

حماد بن راویہ (متوفی ۱۵۵ھ) جنہیں ولید بن یزید نے ۲۹۰۰ قصائد ازبر ہونے پر کامیابی کی سند دی تھی، کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ ہشام ابن عبد الملک کو ایک شعر کے قائل کا علم نہ ہو سکا۔ وہ شعر یہ تھا:

ودعوا بالصبح یوما فجاءت

قینۃ فی عینہا ابریق

تو اس نے حماد الراویہ کو کوفہ سے دمشق بلا بھیجا۔ چنانچہ حماد نے اس کے پاس جا کر اس قصیدہ کے باقی اشعار سنائے اور بتلایا کہ یہ شعر قصیدہ عدی بن زید سے ہے۔ عربی ادب کے علم کی غرض سے جو لوگ ادباء کی مجالس میں دور دراز کے سفر طے کر کے حاضر ہوتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب مشہور ادیب الفراء نے اپنی کتاب المعانی لکھوائی تو حاضرین طلبہ کی کثرت کی وجہ سے ان کا شمار مشکل تھا۔ اس مجلس میں صرف قاضیوں کی تعداد اسی تھی۔

رحلہ اطباء:

انصاف نہ ہو گا اگر میں رحلات کے سلسلہ میں اطباء کا ذکر نہ کروں۔ اگرچہ علم طب کا براہ راست دین سے کوئی تعلق نہیں لیکن نبی ﷺ کی طبی ہدایات علم حدیث کا ایک زریں باب ہیں۔ اور اسی کی فضیلت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

العلم علما ن علم الابدان وعلم الادیان یعنی علم دو ہیں علم طب اور علم دین۔

اس بحث سے قطع نظر علم طب کی اہمیت بہت ہے کیونکہ یہ انسان کے جسم و روح سے بحث کرتا ہے اور انسانی صحت زندگی کی لابدی ضروریات سے ہے۔ انسانی امراض اسے نہ صرف دنیاوی طور پر ناکارہ کر دیتی ہیں بلکہ اس کے شرعی فرائض کے سلسلہ میں بھی خلل انداز ہوتی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے:

المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف

یعنی قوی مسلمان اللہ کے ہاں کمزور مسلمان سے زیادہ پیارا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کیونکہ وہ دین کے ایسے کام سرانجام دیتا ہے جن سے کمزور محروم رہتا ہے نیز رحلت کے بارے میں اطباء کی محنتیں بہت قابل قدر ہیں۔ انہوں نے جڑی بوٹیوں، معدنیات اور مختلف چیزوں کی تلاش اور خواص کے لئے انتھک محنتیں کیں اور اس کے لئے علاقوں کے علاقے اور دشت و دریا چھان مارے اور مختلف تجربات کے لئے انہیں بیش بہا قربانیاں دینی پڑیں۔ مسلمان اطباء نے اس کے لئے دور دراز کے سفر کیے اور اس فن کے لئے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ رہتی دنیا تک ان کی یاد گار رہیں گے۔ آج کی سائنسی دنیا اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود جن مشکلات کا کوئی حل تلاش نہ کر سکی، مسلمانوں نے اپنے دور میں ان کو حل کیا۔ بطور مثال آج سب ڈاکٹر صاحبان اور سائنسدان ”الکوحل“ کے مضر اثرات کا اعتراف کرتے ہیں لیکن اس کا متبادل نہ پانے کے سبب اس کے استعمال کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتے۔ حالانکہ مسلمان اطباء قرون پہلے ان مقاصد کے لئے دوسری تدابیر پیش کر چکے ہیں۔ گویا آج کی ترقی یافتہ طب نے مسلمانوں ہی کے فیض کرم سے ترقی کی منزلیں طے کیں۔ یورپ کے ماہرین طب زیر لب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ موجودہ طب مسلمانوں کی کوششوں کی رہین منت ہے۔

مسلمانوں نے اسلامی قرون وسطیٰ میں طب کی اس قدر خدمات انجام دی ہیں کہ ان کی طب کو طب یونانی کی بجائے طب اسلامی کہنے کو جی چاہتا ہے۔ اس دور کے اکثر علماء دینی علوم کے ساتھ ساتھ طب کے بھی ماہر ہوتے تھے اور اسے دینی علوم ہی کی طرح اہتمام سے سیکھتے تھے۔ غزالی و رازی بلند پایہ عالم اور ماہر طبیب بھی ہیں جبکہ کئی علماء نے تو خاص طب نبوی کے نام سے کتابیں لکھیں۔ امام ذہبیؒ کی کتاب ”طب النبوی“ اور امام سیوطیؒ کی ”کتاب الرحمة فی الطب والحکمة“ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ امام شافعیؒ تبحر عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر طبیب بھی تھے۔ اسی طرح مشہور مورخ ابن اصبیحہ بیک وقت علامۃ الدہر اور طبیب حاذق تھے اور ان کی طرح اس فن میں ان کی ایک بہن اور بیٹی بھی یدِ طولیٰ رکھتی تھیں۔

علامہ سید شریف کوایم طالب علمی میں شوق ہوا کہ وہ امام رازیؒ کی کتاب شرح مطالع خود ان سے پڑھیں چنانچہ اس ذہن میں وہ ہر ات پہنچے، اس وقت امام کی عمر دسویں منزل کی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور قویٰ مضحل ہو چکے تھے۔ اس لئے اس کہن سالی میں انہوں نے جواں ہمت سید کو اپنی طاقت سے باہر سمجھتے ہوئے اپنے شاگرد مبارک شاہ کے پاس قاہرہ جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس کا پڑھانا میرا پڑھانا ہی ہے اور ایک سفارشی رقعہ لکھ دیا۔ اس سفارش سے سید شریف حلقہ رس میں شامل تو کر لئے گئے لیکن انہیں نہ تو جماعت میں قرأت کا موقع ملتا اور نہ ہی ان کا مستقل سبق شروع ہو سکا۔ لہذا وہ صرف سماع پر قناعت کرتے تھے۔ ایک شب مبارک شاہ صحن مدرسہ میں چہل قدمی کر رہے تھے کہ ایک جانب سے کسی کی آواز کان میں پڑی۔ متوجہ ہو کر سنا تو میر سید شریف کہہ رہے تھے۔

”مصنف یوں کہتے ہیں، استاد کا یہ ارشاد ہے اور میرا خیال اس طرح ہے۔“

اس ذہانت سے مبارک شاہ بڑے متاثر ہوئے اور انہیں طلباء میں ایک نمایاں مقام دینے لگے۔

رحلہ نایبنا علماء:

بصارت اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ حصول علم کے لئے تو تقریباً لا بدی چیز ہے لیکن ان مسلمان علماء کے تبحر علم اور اس کے حصول پر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

تعجب ہوتا ہے جنہوں نے نابینا ہونے کے باوجود علمی سمندروں میں غوطے لگائے اور بیناؤں پر بھی سبقت لے گئے اگرچہ ان علماء کا ذکر بھی سابقہ عنوانوں میں سے کسی کے ماتحت کافی تھا لیکن ان کی اس معذوری کے پیش نظر خصوصاً جبکہ دور دراز کے سفر کسی مونس و غمخوار کے بغیر کیے ہوں، علم کا حصول ایک نہایت حیرت انگیز امر ہے۔

حدیث کے مشہور نابینا راوی قتادہ بن دعامہ سدوسی نے طلبِ حدیث کے لئے حجاز، بصرہ اور واسطہ وغیرہ کا سفر کیا۔ حجاز میں مشہور تابعی (سرخیل اہل الحدیث) امام سعید بن المسیب سے پڑھنا شروع کیا تو طلب اور شوقِ علم میں انہیں اس طرح لازم پکڑا کہ وہ گھبرا اٹھے اور تیسرے روز ہی فرمانے لگے کہ اے اللہ کے بندے تو یہاں سے نکل، تو نے تو مجھے نچوڑ لیا ہے۔ بصرہ میں علماء کے ہاں اس قدر آنا جانا تھا کہ ہموار ناہموار جگہ کی پروا نہ کرتے تھے اور بغیر رہبر کے ہر جگہ پہنچ جاتے تھے۔

۱۱۸ھ میں شہر واسطہ میں مبتلائے طاعون ہو کر وفات پائی۔

امام بخاریؒ کا تحصیلِ علم کے دوران دوبارہ نابینا ہونے کا قصہ قارئین پہلے مطالعہ فرما چکے ہیں۔ اس دوران میں بھی ان کا شوقِ تعلیم و تعلم جاری رہا۔ صحاح ستہ کی مشہور کتاب جامع ترمذی کے مصنف امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ مادرِ زاد نابینا تھے۔ تاہم ان کی وسعتِ معلومات اور جلالتِ علمی ان کی ”جامع“ سے ظاہر ہے۔ انہوں نے اس علم کی خاطر حجاز عراق، خراسان وغیرہ کے سفر کیے اور علماء سے کسبِ فیض کیا۔

مادرِ زاد نابینا حافظ الحدیث ابو العباس رازی نبی پاک ﷺ کے اقوال و افعال سے شیفتگی میں بلخ بخارا، نیشاپور اور بغداد پہنچے (واضح رہے کہ بلخ سے بغداد تقریباً ۱۳۶۵ میل دور ہے)۔

اسی طرح صائن الدین کی آٹھ نو برس کے تھے جب نابینا ہو گئے، باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ وارثوں میں ایک ماں اور ہمیشہ تھی۔ ماں اپنے نابینا بیٹے کو نہ سنبھال سکی۔ لہذا آپ نے تحصیلِ علم کے لئے اپنا علاقہ چھوڑا اور موصل چلے آئے، جہاں قرآن مجید حفظ کیا اور ادب کی تعلیم حاصل کی پھر بغداد چلے گئے۔ یہاں عربی ادب میں مہارت پیدا کی اور علمائے حدیث سے حدیث کا سماع کیا، پھر وہاں سے وطن لوٹے، پھر دوبارہ موصل کا رخ کیا، پھر یہاں سے شام پہنچے، بیت المقدس گئے، وہاں سے حلب اور حلب سے پھر موصل آ گئے اور وہیں بیوند خاک ہوئے۔ یہ سب علمی رحلات تھے۔

رحلہ ملائکہ و جنات:

تکمیلِ بحث کی خاطر دل چاہتا ہے کہ رحلہ علماء کے بیان میں خاکی مخلوق کے ساتھ نوری اور ناری مخلوق یعنی ملائکہ اور جنات کے رحلاتِ علم کا بھی کچھ ذکر کر دیا جائے۔ اللہ کی مخلوق میں سے یہ دونوں بنی نوع انسان کی طرح ذوی العقول ہیں۔ فرشتے تو مقصدِ عبودیت میں انس و جن کے معاون اور جن انسان کی طرح شریعت کے مکلف ہیں۔

علم ایسی چیز ہے کہ ہر کوئی اس کے حصول کے لئے بے قرار ہے اور اللہ تعالیٰ نے علم کی برتری کی بنا پر ہی آدم کو ملائکہ و جنات (جن کا سردار ابلیس تھا) پر فضیلت دی اور انہیں آدم کو سجدۂ احترام و تعظیم کرنے کا حکم فرمایا۔ فرشتوں نے تعمیلِ حکم کی اور وہ انسان کے معاونِ ابدی قرار پائے جبکہ جنوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کے سردار ابلیس نے تکبر کیا اور سجدہ سے انکار کیا لہذا وہ ملعون و مردود قرار پایا لیکن عام جنات تو صرف مکلف رہے لیکن ہمیشہ کے لئے ان سے نبوت چھین لی گئی اور ان کے انبیاء و پیغمبر انسان ہی قرار پائے۔ کیونکہ یہی علم الہی کے امین، مسجود الملائکہ اور خیر البریہ (افضل المخلوقات) تھے۔ اب آپ الگ الگ ملائکہ اور جنات کے رحلات تعلیم و تعلم کا مختصر حال سنئے:

رحلہ ملائکہ:

فرشتے اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان علم الہی کا واسطہ اور محافظ ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الشوریٰ: ۵۱)

یعنی کسی بشر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خطاب کی تین ہی صورتیں ہیں کہ یا تو براہ راست القاء کریں یا پس پردہ بات کریں یا اپنا قاصد بھیجیں جو اللہ کے احکام ویسے ہی بتلائے جیسے اللہ تعالیٰ چاہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والے حکمت والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں فرشتوں کا (عموماً اور حضرت جبریل کا خصوصاً) اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ بننے کا ذکر ہے۔ یہ فرشتوں کے رحلات علم ہی ہیں جن کی زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ احادیث میں فرشتوں کا عام طور پر انسان کی شکل میں اور گاہے اپنی شکل میں انبیاء کے پاس آنے جانے کا ذکر موجود ہے۔ مشکوٰۃ کے شروع میں ہی ہے کہ جبریل امین تعلیم دین کی غرض سے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اہم باتوں میں سے کئی کے متعلق مکالمہ کیا۔ ابتداء وحی کے وقت غار حرا میں بھی جبریل امین اپنی اصلی شکل میں آئے تھے جب کہ سورۃ العلق نازل ہوئی۔ پھر سورۃ المدثر کے وقت بھی جبریل اُفق میں دکھائی دیئے تھے وغیرہ وغیرہ۔

وحی اور علم الہی کے تحفظ اور نگرانی میں جبر الامت عبد اللہ بن عباسؓ کا قرآنی لفظ ”رصد“ کی تفسیر میں یہ قول کافی ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو شیاطین سے حفاظت وحی کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ (رواہ ابن مردویہ وابن ابی حاتم فی تفسیر بہما) ابن مردویہ میں اسی آیت کی تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے۔

مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى نَبِيٍّ آيَةً مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا وَسَّعَهَا أَرْبَعَةً مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُحْفَظُونَهَا حَتَّى يُوَدِّيَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

یعنی اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی ہر آیت کے نزول کے وقت حفاظت کے لئے چار فرشتے بھیجتے ہیں۔ (فتح القدیر ص ۳۱۳ جلد ۵) فرشتوں کے یہ سب سفر تعلیم انسانی کی غرض سے ہیں۔ علاوہ ازیں فرشتوں کا مجالس قرآن و ذکر اور مختلف مواقع خیر میں زمین پر اترنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

رحلہ جنات:

جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ فرشتے انسانی تعلیم کی غرض سے اترتے ہیں۔ اسی طرح جنات انسانوں سے علم سیکھنے کے لئے پاس آتے جاتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ہیں۔ گویا ملائکہ کا رحلہ تعلیم ہوا تو جنات کا رحلہ تعلیم، خواہ بہ نیت فاسد ہو یا بخیر، کیونکہ وحی کے علاوہ جتنے مرسومہ نبی علوم ہیں مثلاً سحر، جفر، رمل، کہانت، نظر اور شعبہ بازی، موجودہ مسمریزم اور ہپناٹزم وغیرہ، ان سب میں جنات کا عمل دخل ہوتا ہے۔ ان علوم میں حقیقت صرف اتنی ہوتی ہے جتنی جنات آسمانی وحی سے اچک لیتے ہیں۔ باقی اس میں نانوے فی صد جھوٹ ہوتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں نبی ﷺ کا تفصیلی فرمان مذکور ہے۔ قرآن کریم میں آسمانی علوم کے حصول کے لئے جنات کا آسمانوں پر جانا ثابت ہے۔ بعثت محمدیہ ﷺ سے پہلے تو وہ بلا روک ٹوک جاتے تھے لیکن سلسلہ وحی کے شروع ہو جانے کے بعد سے آسمانی دروازے ان پر بند ہو گئے ہیں اور ان پر فرشتے اور ستارے پہریدار مقرر ہو گئے۔ اب بھی جنات اللہ تعالیٰ کی (آسمان دنیا پر) ملائکہ سے دنیاوی امور کے متعلق بات چیت سننے کے لئے اوپر جاتے ہیں لیکن انہیں فرشتے آگ مارتے ہیں۔ گاہے کوئی نہ کوئی بات (بطور آزمائش) انہیں بھی مل جاتی ہے۔ جس میں یہ ننانوے فی صد جھوٹ ملا کر اپنے اولیاء مذکورہ بالا یعنی کافرانہ علوم کے عاملین کے پاس جا کر بتلاتے ہیں۔ جو وہ اپنے مریدین کو بتلاتے ہیں۔ اس طرح دنیا کو گمراہ کرتے ہیں۔ یہ رحلات تو بہ نیت فاسد ہوئے لیکن ان کا بہ نیت خیر یعنی حصول علم شریعت کے لئے بھی انبیاء اور علماء کے پاس آنا جانا بہت ہے۔ یہ عام علماء، صلحاء کی مجالس میں شریک ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس بھی ان کا آنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ چند جنات جو تہامہ سے آئے اور عکاظ کے میلہ کی طرف جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے نماز فجر کے وقت مقام نخلہ میں ملے (جبکہ آپ طائف سے فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد لوٹ رہے تھے) اور قرآن سن کر متعجب ہوئے اور ایمان بھی لائے۔ (البخاری ص ۷۳۲، ج ۲) (باقی آئندہ)

دینی مدارس کے نصاب اور طرزِ تعلیم پر ایک نظر

حافظ عبدالرشید اظہر (سلفی)

ترتیب: ادارہ

زیر نظر مقالہ دینی مدارس کے نظامِ تعلیم کی اصلاح کے پیش نظر سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ یہ ایک طالب علم کے تاثرات ہیں جو معزز قارئین تک پہنچا کر اپنا فرض پورا کر رہا ہوں۔ تعلیم و تدریس پر کوئی تبصرہ اور اس کے نظام کی مکمل خرابیوں کو اجاگر کرنا اگرچہ ماہرینِ تعلیم کا کام ہے اور انہی کی رائے کسی اعلیٰ قدر و قیمت کی حامل ہو سکتی ہے۔ لیکن میں نے اس نازک موضوع پر قلم اس لئے اٹھایا ہے کہ اس پر دوسروں کو تحریک ہو اور ہمارے دینی مدارس کی اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے۔

میں نے مدارس میں مروجہ علوم و فنون کی زیرِ درس کتب اور ان کے طرزِ تدریس پر جو بحث کی ہے اگرچہ یہ میرے ذاتی تاثرات ہیں لیکن میں نے اپنے ذوق کے مطابق اس سلسلہ میں دُورس نظر کے حامل علماء اور اصلاح کے خواہاں ماہرینِ تعلیم کی کتب سے فائدہ اٹھایا ہے اور میری خوش قسمتی ہے کہ میرے افکار کو ان کی قیمتی آراء سے بھی زبردست تائید ملتی ہے اس لئے الحمد للہ میں اپنے تاثرات کو نہایت اعتماد سے پیش کر رہا ہوں۔

باقی رہا خامیوں کو دور کر کے مفید تجاویز کو اپنانا سو یہ اربابِ مدارس کی ذمہ داری ہے جو تعلیمی امانت کے امین اور دینی مدارس کے زیرِ تعلیم طلبہ کے کفیل ہیں۔ حالات اس شدت سے اصلاحِ تعلیم کا تقاضا کر رہے ہیں کہ اگر ہم نے اس تبدیلی کو نظر انداز کرتے ہوئے خود کو بدلنے کی کوشش نہ کی تو علم نہیں، دینی تعلیم اور اس کے حاملین کا مستقبل کیا ہو؟ علماء کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہئے اور اجتماعی کوششوں سے اصلاح احوال کرنی چاہئے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ علماء معاشرہ کے لئے اپنی رہی سہی اہمیت اور افادیت بھی کھو بیٹھیں گے۔

گرم فغاں ہے جس، اٹھ گیا قافلہ
وائے وہ راہرو کہ ہے منتظرِ راحلہ (اقبال)

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی اسلامی علوم کی مجالسِ درس و تدریس بھی قائم ہوئیں۔ ان مجالس میں عام طور پر ابتدائی صرف و نحو اور فارسی کے بعد فقہ اور اصولِ فقہ کی تعلیم کا اہتمام تھا۔ علومِ قرآن و حدیث برصغیر کی مجالسِ درس کے لئے ایک حد تک غیر مانوس تھے۔ تبرکاً بعض اساتذہ حدیث کی ایک آدھی کتاب پڑھا دیتے تھے۔ علومِ عربیہ صرف و نحو وغیرہ کی تعلیم بھی بہت معمولی ہوا کرتی تھی۔ صوفیا کی مجالسِ ذکر و فکر میں اگرچہ تصوف کا زور تھا لیکن اعلیٰ اور مستند کتابوں سے ان بزرگوں کی محافل خالی ہی ہوا کرتی تھیں۔

برصغیر میں دینی علوم:

مروجہ تعلیم فقہ و اصول میں بھی اجتہاد و استنباط کو دخل تھا نہ کہ اصولِ فقہ پر فروعِ فقہیہ کے انطباق کا رواج۔ کیونکہ یہ اصول وضع ہی اس لئے کئے گئے تھے کہ ان سے فروعِ حنفیہ کے لئے کتاب و سنت سے جواز پیش کیا جاسکے۔ گویا یہ اصول فروع کے لئے تھے نہ ان اصولوں کے ذریعہ کتاب و سنت سے فقہ کا استنباط مقصود تھا۔ علاوہ ازیں آپ اسے ہندوستان کے سماجی اور معاشرتی حالات کہہ لیجئے یا علماء و اہلِ انہر کے طرزِ تفقہ کی کرم فرمائی (جن کے توسط سے فقہ و اصول ہندوستان میں درآمد ہوئے) کہ یہاں شخصیت پرستی اور متواتر خیالات و ادہام (ابا عن جد) نہ صرف عوام کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

دماغوں پر مسلط تھے بلکہ خواص اور حاملین علوم شریعت بھی ان سے محفوظ نہ تھے۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ برصغیر میں اسلام کی اشاعت میں سب سے بڑا دخل صوفیائے کرام کے اثر کو تھا۔ ان کا احترام مسلمان بادشاہ بھی کرتے تھے بلکہ انہیں وہ اپنے ساتھ ہندوستان لائے۔ چونکہ یہ طبقہ درویشی اور صلہ اور ہر ایک کے متعلق حسن ظن کی پالیسی پر قائم تھا۔ اس لئے ان کے متصوفانہ خیالات و افکار کو بڑی پذیرائی ہوئی اور عوام و خواص تو ہم پرستانہ میلانات کی بنا پر انہیں قبول کرتے رہے لیکن اس عام ذہنیت کا منفی نتیجہ یہ نکلا کہ غیر اسلامی اوہام و مراسم اسلام کے نام پر رواج پکڑتے رہے اور بالآخر انہی عقائد و اعمال نے جڑیں پکڑ لیں۔

اس متصوفانہ اسلام کا یہ اثر ہوا کہ اسلام کے اصل اصول کتاب و سنت اور اس کے اولین علمبردار و شارحین صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین کا طرز فکر و عمل گوشہ نشینان میں پڑ گیا اور ائمہ اربعہ بلکہ مذاہب اربعہ میں سے بھی صرف حنفی فروع و اصول ان کے سامنے رہ گئے۔ البتہ اساتذہ و طلبہ کو دوسرے ائمہ کے صرف فروع سے اتنی واقفیت ہوتی تھی کہ فلاں مسئلہ میں امام شافعی یا شافعیہ ہمارے مخالف ہیں اور وہ بھی اس حد تک جس کا ذکر مروجہ حنفی کتب فقہ میں تھا۔ باقی رہے ان کے اصول تو ان سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا کیونکہ مقلد کے لئے اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں اذہان کا ایک طرفہ طور پر مطمئن رہنا اور اسے ہی کامل و خالص اسلام سمجھنا ایک ناگزیر امر تھا۔ آج سے کچھ عرصہ قبل کے معدودے چند مصنفین کو چھوڑ کر اکثر کی تصانیف اسی جامد اور غیر محققانہ روش کی آئینہ دار ہیں جس کا شکوہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی تصانیف میں جا بجا کرتے ہیں۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ہندوستانی علماء کی نظر میں قرآن و حدیث اور صحابہ و تابعین کے فقہی طور طریقے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے اور نہ ہی برصغیر کی تعلیمی و تدریسی مجالس میں ان کی کوئی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح عقائد کا حال تھا۔ علماء کی توجہ عقائد کی طرف ہوئی بھی تو کتابی صورت میں وہ مجموعہ جات ان کے سامنے آئے جو بعید از کار فلسفیانہ مباحث پر مشتمل تھے جن میں فلسفہ کی مبادیات و اصول کو عقائد کی بنیاد کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اگر کوئی نظریاتی اختلاف زیر بحث آتا بھی تو انہی مسلمات کے ذریعہ حل کیا جاتا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مبداء اور معاد کی تفصیلات فلسفہ و کلام سے طے ہونے لگیں اور مروجہ علم کلام سے حل شدہ جملہ تفصیلات نے اسلامی عقائد کی حیثیت اختیار کر لی اور اس سلسلہ میں حامل وحی حضرت رسول اکرم ﷺ اور ان کے تعلیم و تربیت یافتہ سلف صالحین کا طرز فکر بالکل نظر انداز کر دیا گیا حالانکہ ان متکلمانہ مباحث اور نظریات سے عموماً اور متاخرین علمائے کلام جن کے توسط سے یہ علم ہندوستان میں رواج پذیر ہوا، کی ”ان قیل قلت“ جیسی لفظی بے معنی اور غیر مقصود بحث سے خصوصاً بھول بھلیاں ہی سامنے آئیں جبکہ علمائے سلف کا انداز فکر ٹھوس اور سادہ ہونے کے ساتھ یقین و ایمان کی دولت سے بھی مالا مال کرتا تھا۔ حیرت یہ ہے کہ وہ احتیاط جو تفرق و انتشار سے بچنے کے لئے اسلام کے اصول (عقائد) میں اختیار کرنی چاہئے تھی (کیونکہ وہ امور غیبیہ سے متعلق اور غیر متبدل ہیں) وہ تقلید و انجماد کی شکل میں فروع و فقہیہ میں واجب قرار دی گئی جبکہ دنیا میں حالات کی تغیر پذیر ہونے کی وجہ سے ان کے لئے اجتہاد و قیاس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہئے تھا (کیونکہ فقہی اختلاف جبکہ وہ مقلدانہ نہ ہو تشریعت و افتراق کا مسبب نہیں بلکہ اختلاف مکان و زمان کی وجہ امت کے لئے آسانی اور رحمت کا باعث ہوتا ہے۔)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

میں یہ بھی واضح کر دوں کہ فلسفہ و کلام کو اسلامی قرون وسطیٰ میں اگر علمائے اہل سنت نے استعمال کیا بھی ہے تو فلسفہ یونان و عجم کے مقابلہ کی ضرورت سے تاکہ ان کے عقائد و اعمال کا بطلان ان کے مسلمات اور انداز فکر سے ان پر واضح کیا جائے نہ کہ اسلامی عقائد و اعمال کے اثبات کے لئے کہ اس کا واحد ترجمان کتاب و سنت ہے۔ (ترکت فیکم امرین لن تضلوا اما تمسکتم بہما کتاب اللہ سنتی)

ہندوستان میں علوم عقلیہ کا داخلہ:

برصغیر میں علوم عقلیہ کا داخلہ مغلیہ دور حکومت میں ایران کے راستہ سے ہوا ہے۔ اہل ہند کے لئے یہ علوم نئے تھے۔ اسی لئے یہ لوگ اسے نئی چیز سمجھ کر پورے انہماک سے ان کی طرف متوجہ ہو گئے لیکن یہ ان کی قسمت تھی کہ ہندوستان میں متاخرین کی کتابیں ان کی مرعوب کن شخصیتوں کے ہمراہ آئیں۔ چنانچہ وہ کتابیں ہندوستان کی مجالس تدریس میں مقبولیت حاصل کر گئیں اور انہیں علم کے متوالے اپنا مرکز فکر بنا کر بیٹھ گئے۔ اس طرح بجائے مختلف نظریات سے شناسائی حاصل کرنے کے ہندوستانی بدقسمتوں کے حصہ میں وہی بے مقصد لفظی بحثیں اور بے معنی نکتہ آفرینیاں رہ گئی اور بقول سید سلیمان ندوی ہم قیل و قال کے مکرر گڑھے میں گر گئے جس سے تلخیص و تشریح اور تحشیہ کا بگڑا ہوا مذاق پیدا ہو گیا۔ لہذا علوم عقلیہ میں بھی اجتہادی اور انتقادی کام سے ان کی عقلی قوتیں محروم ہو گئیں۔ ان کتابوں کی بنا محض قیاسات اور انکل پچو کلیات پر تھی اور علمائے ہند جزلاً تجزی کے ثبوت کے لئے اجزا کو وہم کی قینچی سے کاٹنے میں مصروف ہو گئے جس سے ان کی تجرباتی قوتوں کو کسی قسم کی کوئی مشق نہ ہو سکی بلکہ متاخرین کے عام سلسلہ فکر کی تقلید میں ہندوستانی علماء و طلباء کے سامنے سے تجربے کی اہمیت اٹھ گئی اور وہ بھی اسے اپنے علمی درجے سے پست خیال کرنے لگے اور اس سے کام لینا صرف اہل صنعت و حرفت کے لئے مخصوص سمجھا جان لگا اور ”علوم عالیہ“ کے لئے بھی صرف ذہنی اور گھڑے ہوئے کلیوں کو کافی ہی نہیں سمجھا گیا بلکہ انہیں ہی اہم مانا گیا۔ طبعیات، الہیات، منطقیات کی بھی یہی حیثیت تھی۔ عقلیات میں سے وہ فنون جن کو عملی اغراض سے تعلق تھا۔ مثلاً ریاضیات وغیرہ انہیں اس معنی میں کوئی خاص ترقی حاصل نہ ہو سکی کہ مختلف مشاہدات و تجربات سے ان کے مسلمہ اصول و ضوابط میں کمی بیشی یا اصلاح و ترمیم کی جاتی یا مزید اصولوں کا استخراج کیا جاتا مگر برخلاف اس کے اگلوں کو ”معصوم“ اور ”ہمہ دان“ مان کر ان کے کلام کی توجیہ و تاویل پر ہی اکتفا کیا گیا اور اس میں بھی تلخیص و تشریح اور حواشی سے آگے نہ بڑھ سکے۔ (یونانی علوم اور عرب ص ۱۹۸)

پاکستان کے اسلامی عربی مدارس:

بالکل جدت میں ڈھلے ہوئے چند مدارس کو چھوڑ کر ہمارے موجودہ دینی مدارس کا ڈھانچہ بھی انہی اثرات کی پیداوار ہے اور مذکورہ بالا علمی ماحول ہمارے اذہان میں راسخ ہے اور اسی فکری نہج پر ہمارے مدارس کا نصاب مرتب کیا گیا ہے۔ اساتذہ کے تعلیم و تربیت کے انداز نے یہی سہی کسر بھی پوری کر دی جو اس نصاب کی تکمیل کے بعد، ممکن تھا کہ، رہ جاتی اور طلبہ کو اس طرز فکر سے نجات دلا سکتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

مسلمانوں کے علوم کے دو عہد:

قبل ازیں کہ ہم دورِ حاضر کے نصابِ تعلیم پر نظر کریں ہمیں مسلمانوں کے دو علمی دوروں پر نظر ڈال لینا چاہئے اس سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ مروجہ مدارس میں کس قسم کی ذہنی تربیت کرنی چاہئے۔

ترقی کا دور:

جس کو بھی مسلمانوں کی علمی تاریخ سے دلچسپی ہے وہ جانتا ہے کہ مسلمانوں کی علمی فتوحات کا دور اور ان کی مجتہدانہ قوتِ تصنیف کا عہد ساتویں یا پھر زیادہ سے زیادہ آٹھویں صدی ہجری پر ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے تقریباً تمام علمی اکتشافات خواہ وہ فلکیات سے متعلق ہوں یا عنصریات سے، طبیعیات سے تعلق رکھتے ہوں یا کیمیا سے، ہندو سی ہوں یا حسابی، جغرافیائی ہوں یا تخطیط الارض سے متعلق سب انہی صدیوں سے متعلق ہیں۔ اسی طرح علومِ استخراجیہ کا استخراج اور ان کی تدوین بھی انہی صدیوں کے اندر ختم ہو گئی اس کے بعد اگر کچھ باقی رہا تو صرف تلخیص و شرح اور نقل و تحشیہ۔ اللہ ماشاء اللہ۔

اس دور کی تصانیف میں واضح طور پر فنی عروج، تحقیقی اور انتقادی ذہنیت کا رنگ پہلی نظر میں ہی نمایاں ہو جاتا ہے۔ جزئیات سے کلیات کے استنباط کی کوشش ہوتی ہے۔ ہر فن پر بحیثیت اس کے فن ہونے کے غور کیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک فن کے مسائل کی ترجیح میں دوسرے فن کے اصول و ضوابط کو داخل کر دیا گیا ہو۔ دلائل میں فرضی کلیات کی نسبت استقرائے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ صحیح تحقیق و تنقید میں اکابر پرستی اور ائمہ کی پیروی حائل نہیں ہے۔ اس اسالیب کا واضح ثبوت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تصانیف ہیں۔

اخطاط کا دور:

برعکس اس کے بعد کے علماء تہذیب و تنقیح کے اعتبار سے خواہ متقدمین پر فائق ہیں لیکن ان میں فنی عروج کی بجائے جمود و تقلید ہے۔ اجتہادی قوت کی قلت اور اکابر پرستی کے باعث صرف متقدمین کے کلام کی توجیہ و تاویل پر اکتفا کیا گیا ہے۔ تحقیق و تنقید اولاً تو ہے ہی نہیں اگر ہے تو فنی وجوہ اور استقرائی دلائل پر مبنی نہیں ہے بلکہ ہر فن غیر فنی مباحث سے بھرا ہوا ہے۔ اعتراضات و جوابات کی بھرمار ہے مگر ان کا تعلق اصولی حیثیت سے اس فن سے بالکل نہیں ہے مثلاً نحو، صرف اور بلاغت کے مسائل جن کی حیثیت خالص لسانی ہے اور اہل زبان کے سماع پر مبنی ہیں۔ ان پر عقلی دلائل سے نظر کرنا متاخرین علماء کی خصوصیت ہے۔ لفظی کج بحثیاں، بے معنی نکتہ آف، بییناں، سوال در سوال، جواب در جواب، تلخیص در تلخیص اس قدر کہ کتاب ایک معمہ اور چیستان معلوم ہونے لگ۔ عملاً متقدمین پرستی اور وہ بھی جانبدارانہ، ان تصانیف کا عام انداز ہے۔ شروح اور حواشی ایسی توجیہوں اور تاویلوں سے پُر ہیں جو موجدین فنون کے ذہنوں کے قریب سے بھی کبھی نہ گزری ہوں گی۔ اور نہ ہی بآسانی ان کی طرف کسی قاری کا ذہن منتقل ہو سکے چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ بجز ابتدائی رسائل کے متاخرین کی کتب سے یہ تو ممکن ہے کہ قاری ”شیخ الکمل“ بن جائے مگر وہ فن جس میں وہ لکھی گئی ہیں کسی طرح بھی نہیں آسکتا۔ اجتہادی قوت کا پید ا ہونا تو ایک بہت بڑی بات ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

موجودہ مدارس عربیہ کا نصابِ تعلیم:

ان دونوں عہدوں (متقدمین و متاخرین) کی خصوصیات کو سامنے رکھنے کے بعد ہمیں موجودہ مدارس عربیہ اسلامیہ کے نصاب ہائے تعلیم پر ایک سرسری نظر کرنی چاہئے۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام مدارس ایک ہی نمچ پر ہوں۔ ممکن ہے کہ بعض میں کوئی ترمیم و اصلاح بھی ہو۔ مگر بات اکثریت کی ہے۔ دورِ حاضر کے نصاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان کے قدیم مدارس کی تمام کتب کا احصاء ہو جائے۔ میری معلومات کی حد تک اکثر مدارس عربیہ میں ”خو“ کاغذ، اور ”شرح جامی“ تک، صرف ”فصول اکبری“ اور بعض میں ”شافیہ“ تک، تفسیر ”جلالین“ یا ”جامع البیان“ اور مولوی فاضل زہدہ مدارس میں ”بیضاوی کی سورۃ بقرہ“ تک زیرِ درس ہیں۔

عقائد و کلام میں ماسو لے چند مدارس کے ”شرح عقائد نسفی“ ہی زیرِ درس ہے۔ اصول فقہ میں ”اصول شاشی، نور الانوار“ اور بعض مدارس میں ”توضیح و تلویح“ اور بہت کم مدارس میں ”ارشاد الفول“ شامل ہیں۔ فقہ میں ”شرح و قالیہ، ہدایہ“ اور چند مدارس میں ”ابن رشد کا بدایہ“ داخل نصاب ہے۔ عربی نظم میں ”حماسہ، متنبی“ اور بعض مدارس میں ”السیع المعلمات“ زیرِ تدریس ہیں۔ عربی نثر کی ”تاریخ ادب العربی، مقامات حریری“ اور ”عمرات“ پڑھائی جاتی ہیں۔ منطق کی شرح ”تہذیب“ یا ”مسلم“ اور بعض مدارس میں ”ملاحسن“ شامل ہیں۔ حکمت میں ”ہدیہ سعیدیہ“ بیندی“ اور بعض میں ”شمس بازغہ“ زیرِ درس ہیں۔ ہیئت، ہندسہ اور حساب قریب قریب نصاب سے خارج ہی ہیں الا ماشاء اللہ۔ تاریخ خواہ کسی قسم کی ہو وہ ناب کا جز نہیں ہے۔ بہت کم مدارس میں تاریخ اسلام کی ایک دو کتابوں کا رواج ہے وہ بھی ادبی نقطہ نگاہ سے۔ حدیث اب قریباً مکمل صحاح ستہ پڑھایا جانے لگے مگر اکثر غیر مانوس طور پر۔

جہاں تک تعلیم و تدریس کا تعلق ہے غالباً یہ نصاب کافی خیال کیا جاتا ہے لیکن مطالعہ کے لئے اساتذہ اور طلبہ دونوں کے نزدیک یہ کتابیں کافی نہیں ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ دونوں ہی یا پھر کم از کم اساتذہ کے مطالعہ میں عموماً ان کتابوں کی شروح اور حواشی رہتے ہیں۔ چنانچہ ہر کتاب کے لئے اس کے متعدد حواشی اور شروح کا سامنے رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ شروح اور حواشی تمام کے تمام متاخرین علماء کی جو دت طبع کا شاہکار ہوتے ہیں جن کے اسلوبِ نگارش پر ہم اوپر خامہ فرسائی کر چکے ہیں۔ ان حواشی کا مقصد نہ کتاب کا حل ہے اور نہ ہی فن کا احصاء۔ بلکہ محض اپنی ذہانت اور دقتِ نظر کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور پھر اس نمچ پر اساتذہ کرام چلتے ہیں، وہ جس قدر بھی ادھر ادھر قیل و قال کی گتھیاں سلجھائیں اسی قدر فخر محسوس کرتے ہیں اور طلبہ بھی اسی اندازِ تدریس پر ہمہ وقت مرٹنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ اکثر حواشی کا سمجھنا اصل کتاب سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ غالباً اس فن سے اس حاشیہ کو صرف اور صرف اسی قدر واسطہ ہوتا ہے کہ وہ اس فن کی ایک کتاب پر لکھا ہوا ہے۔ پھر یہ ہے کہ مدارس میں داخل نصاب کتب اکثر مکمل بھی نہیں پڑھائی جاتیں بلکہ چند ایک ابتدائی کتاب کے علاوہ نہ صرف یہ کہ مکمل نہیں بلکہ نصف اور ربع تک داخل نہیں۔ بعض کتب کی مقدارِ درس اس قدر عام ہو چکی ہے کہ ہمارے مطالع ان کی اشاعت کے لئے بھی انہی حصوں کو منتخب کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی اور نفحۃ الیمن وغیرہ کتب کا مکمل دستیاب ہونا بھی مشکل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قبل ازیں کہ ہم مذکورہ فنون کی تاریخ کا سرسری جائزہ لیں، کسی ہندی عالم کے چند عاربی اشعار، ظرافت طبع کے لئے پیش خدمت ہیں۔

(ولنعم ما قیل فی علماء الہند) ۛ

ایا علماء الہند طال بقائکم	وزال بفضل اللہ عنکم بلائکم
رجو تم بعلم العقل فوز سعادة	واخشی علیکم ان یغیب رجائکم
فلا فی تصانیف الاثیر ہدایۃ	ولا فی اشارات ابن سینا شفائکم
ولا طلعت شمس الہدی من مطالع	فاوراتہا ویمجور کم لا ضیاء کم
وما کان شرح الصدر للصدر شارحا	بل ازداد منه فی الصدور صداء کم
وبازغة لا ضوء فیہا اذا بدت	واظلم منها کاللیالی ذکاء کم
وسلمکم مما یفید تسفلا	ولیس بہ نحو العلوار تقاء کم
فما علیکم یوم المعاد بنافع	فیا ویلنی ما ذایکون جزاء کم
اخذتم علوم الکفر شرعا کأنما	فلا سفة الیونان ہم انبیاء کم
موضتم فز دتم علة فوق علة	تداووا بعلم الشرع فهو وائکم
صحا ح دیث المصطفی وحسانہ	
شفاء عجیب فلیزل منه داء کم	

(مقدمہ تحفۃ الاحوزی)

(باقی آئندہ)

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اطاعتِ حق

مولانا عبد الرحمن عاثر

اللہ کا جو تابع فرماں نہیں ہوتا	انسان حقیقت میں وہ انسان نہیں ہوتا
بے کیف ہے یہ جلوہ گرِ حسن و محبت	پروانہ اگر شمع پہ قربان نہیں ہوتا
مومن کسی انسان کو پریشان نہیں کرتا	مومن کسی انسان سے پریشان نہیں ہوتا
لہتے ہیں سدا عزت و ناموس اسی کے	آپ اپنی جو عزت کا نگہاں نہیں ہوتا
پیغمبرِ حق ﷺ کی احادیث کا منکر	واللہ! کبھی صاحبِ ایمان نہیں ہوتا
انجامِ گلِ تر سے جو واقف ہے چمن میں	وہ دل کبھی مانوس بہاراں نہیں ہوتا
اس شبِ مہ و انجم بھی چراغاں نہیں کرتے	جس شبِ مری پلکوں پہ چراغاں نہیں ہوتا
عاجز کبھی ایمان کی تکمیل نہ ہوگی	
جب کہ رہِ حق میں تو قرباں نہیں ہوتا	

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

امام ابن الصلاح اور ان کی کتاب "علوم الحدیث"

مولانا محمد خالد سیف (اثری)

قسط نمبر: ۲

"علوم الحدیث" پر ایک ناقدانہ نظر:

اگرچہ امام ابن الصلاح کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول اور لغت وغیرہ مختلف علوم و فنون میں یدِ طولیٰ حاصل ہے اور خصوصاً اصول حدیث میں تو آپ امامت و اجتہاد کے بلند درجہ پر فائز ہیں اور آپ کی اس شہرہ آفاق تصنیف کو اس فن میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے لیکن بغضاً "لکل جواد کبوة ولکل صارم نبوة ولکل عالم هفوة" جلیل القدر امام ابن الصلاح سے بھی کچھ فروگزاشتیں ہوئی ہیں جن میں سے چند ایک کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ النوع الاول کے فوائد مہمہ میں سے دوسرا فائدہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اذا وجدنا فيما يروى من اجزاء الحديث وغيرها حديثا صحيح الاسناد ولم نجد في احد الصحيحين ولا منصوباً على صحته في شيء من مصنفات ائمة الحديث المعتمدة المشهورة فاننا لا نتجاسر على جزم الحكم بصحته فقد تعذر في هذه الاعصار الاستقلال بادرالك الصحيح بمجرد اعتبار الاسانيد الخ
یعنی آپ کے نزدیک متاخرین کے لئے کسی حدیث کی تصحیح جائز نہیں اور اس سلسلہ میں صرف متقدمین پر ہی انحصار کرنا چاہئے لیکن علماء کرام نے آپ کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اس پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثم ما اقتضاه كلام ابن الصلاح من قبول التصحيح من المتقدمين وردة من المتأخرين قد يستلزم رد ما هو صحيح وقبول ما ليس بصحيح فكم من حديث حكم بصحته امام متقدم اطع المتأخر فيه على علة قاذحة تمنع من الحكم بصحته ولا سيما ان كان ذلك المتقدم ممن لا يرى التفرقة بين الصحيح والحسن كابن خزيمة وابن حبان"

امام نووی فرماتے ہیں:

"والاظهر عندی جوازہ لمن تمکن وقویت معرفته"

علامہ عراقی امام نووی کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وما رجحه النووي هو الذي عليه عمل اهل الحديث فقد صح جماعة من المتأخرين احاديث لم نجد لمن تقدمهم فيما تصحيحاً"

اور علامہ ابن جماعة فرماتے ہیں:

"قلت مع غلبة الظن انه لو صح لما اهيله ائمة الاعصار المتقدمة لشدة فحوصهم واجتهداهم فان بلغ واحد في

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

هذه الاعصار اهلية ذلك والتمكن من معرفته احتمال استقلاله

چنانچہ حافظ ابن الصلاح کے معاصرین نے ہی کئی ایسی احادیث کی تصحیح کی ہے جن کی متقدمین سے صحت ثابت نہیں تھی اور آپ سے متاخر ائمہ نے بھی کئی ایک احادیث پر صحت کا حکم لگایا ہے۔ مثلاً آپ کے معاصر علماء میں سے صاحب ”الوہم والایہام“ حافظ ابوالحسن بن قطان نے حضرت ابن عمرؓ کی درج ذیل روایت پر صحت کا حکم لگایا ہے:

انه يتوضأ ونعلاء في رجليه ويقول كان رسول الله ﷺ يفعل ذلك

اسی طرح انہوں نے حضرت انسؓ کی درج ذیل روایت پر صحت کا حکم لگایا ہے جسے قاسم بن اصبح نے روایت کیا ہے:

كان اصحاب رسول الله ﷺ ينتظرون الصلاة فيضعون جنوبهم فمنهم من ينام ثم يقوم الى الصلوة

اسی طرح حافظ ضیاء الدین المقدسی صاحب ”المختارۃ“ نے اپنی اس کتاب میں کئی ایسی احادیث کی تصحیح کی ہے جن کی صحت ائمہ متقدمین سے منقول نہیں تھی۔ حافظ منذریؒ نے حدیث ابی ہریرۃؓ فی غفران ما تقدم من ذنبه وما تأخر کی تصحیح کی ہے۔ حافظ دمیاطیؒ حدیث جابرؓ ماء زمزم لها شرب له کی تصحیح کی ہے اور شیخ تقی الدین السبکیؒ نے اپنی کتاب شفاء السقام فی زیادة خیر الانام میں حدیث ابن عمرؓ من زار قبری وجبت له شفاعتی پر صحت کا حکم لگاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ حافظ ابن الصلاحؒ کا متاخر علماء کو اس منصب جلیلہ سے محروم و معزول کر دینا درست نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ ہر عالم کو خواہ متقدم ہو یا متاخر اس کا حق پہنچتا ہے بشرطیکہ وہ اہلیت رکھتا ہو۔ تفصیل کے لئے ”فتح المغیث للعراقی“ فتح المغیث للسحاویؒ اور تدریب الراوی للسیوطیؒ ملاحظہ فرمائیے۔

اسی طرح حافظ ابن الصلاحؒ، امام حاکم اور ان کی متدرک کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهو واسع الخطو في شرط الصحيح متأهل في القضاء به فالاولى ان نتوسط في امره فنقول ما حكم بصحته ولم نجد ذلك فيه لغيره من الائمة ان لم يكن من قبيل الصحيح فهو من قبيل الحسن يحتج به ويعمل به الا ان تظهر فيه علة توجب ضعفه

امام ابن الصلاح کے اس قول پر بھی تعاقب کیا گیا ہے۔

الصواب ان يتبع ويحكم عليه بما يليق من الحسن او الصحة او الضعف

یعنی یہ ضروری نہیں کہ امام حاکم نے جس حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہو اور اس کے متعلق کسی دوسرے امام کی تصریح موجود نہ ہو تو وہ اگر صحیح نہیں تو لامحالہ حسن ہوگی بلکہ تتبع کیا جائے گا اور اس کے حسب حال صحت حسن یا ضعف کا حکم لگایا جائے گا۔ قاضی ابن جماعہ کے اس تعاقب کو علامہ سخاویؒ و انصاریؒ نے بھی ذکر فرمایا ہے اور علامہ عراقیؒ نے ”الکتب“ میں اسے ذکر کر کے صحیح قرار دیا ہے۔

اور اس مذکورہ عبارت کے متصل ہی حافظ ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں:

ويقاربه في حكمه صحيح ابی حاتم بن حبان البستي

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

لیکن آپ کا صحیح ابن حبان کو مستدرک حاکم کے ہم پلہ قرار دینا بھی صحیح نہیں کیونکہ امام ابن حبان کا حدیث میں امام حاکم کی نسبت مقام بلند ہے۔ چنانچہ علامہ عراقی، امام حازمی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ابن حبان امکن فی الحدیث من الحاکم
امام سیوطی فرماتے ہیں:

قیل ما ذکر من تساهل ابن حبان لیس بصحیح غایتہ ان یسمی الحسن صحیحاً فان کانت نسبتہ الی التساهل باعتبار وجدان الحسن فی کتابہ فہی شاحۃ فی الاصطلاح
اسی طرح حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

ثم ان الزیادۃ فی الصحیحین علی ما فی کتابین یتلقاھا طالبھا مما اشتمل علیہ احد المصنفات المعتمدۃ المشہورۃ وسائر من جمع فی کتابہ بین الصحیح وغیرہ ویکفی مجرد کونہ موجوداً فی کتب من اشترط منهم الصحیح فیما جمعه ککتاب ابن خزیمہ

اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہ ہے کہ ”من اشترط منهم الصحیح“ کے ضمن میں تو صحیح ابن حبان بھی آتی ہے اور اسے آپ خود ہی مستدرک حاکم کے متقارب قرار دے چکے ہیں اور مستدرک کے مقام و مرتبہ اور محتویات سے حدیث کا ہر طالب علم واقف ہے۔ اور دوسری گزارش صحیح ابن خزیمہ کے متعلق ہے جسے آپ نے بطور مثال بیان فرمایا ہے کہ اس پر مطلقاً حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے جبکہ اس میں اور اس جیسی دیگر کتب میں ضعیف روایات بھی ہیں، مثلاً صحیح ابن خزیمہ کی ہم تین روایات پیش کرتے ہیں:

1. قال رسول اللہ ﷺ اذا توضأ احدکم ثم یمسح بالماء فلا یسبک یدیه فانہ فی صلاۃ

اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے جس کے سبب بعض ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کی سند میں راوی ابو شامہ الحجازی مجہول الحال ہے جیسا کہ حافظ نے ”تقریب“ میں فرمایا ہے اور ”تہذیب“ میں امام دارقطنی کے حوالہ سے لکھا ہے لا یعرف یتروک

2. سئل رسول اللہ ﷺ عن ہذہ الایۃ ”قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَوَّجَ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى“ قال انزلت فی زکوۃ الفطر

اس کی سند میں کثیر بن عبد اللہ ہے جس کے متعلق امام منذری نے فرمایا ہے ”والا“ اور امام ذہبی نے اس کی اس حدیث کو مناکیر سے شمار کیا ہے۔

3. من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینہن بسوء عدلن له بعبادۃ اثنی عشرۃ سنۃ

اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں عمر بن عبد اللہ بن ابی خثعم ہے جس کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں:

منکر الحدیث ذاہب (میزان جلد ۲- ص ۲۶۴)

تو حافظ ابن الصلاح کے مذکورہ ارشاد کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے جبکہ صحیح ابن خزیمہ میں ان جیسی روایات بھی ہیں۔ منکر حدیث کی بحث میں امام

محکم دلائل وبراہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ابن الصلاح منکر اور شاذ کو مترادف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

والصواب فيه التفصيل الذي بيناه انفا في شرح الشاذ وعند هذا نقول المنكر ينقسم قسمين على ما ذكرناه في الشاذ فانه بمعناه (علوم الحديث ص ٤٢)

لیکن آپ کا منکر اور شاذ کو مترادف قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ منکر اور شاذ ایک نہیں، شیخ الاسلام ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ”وقد غفل من سوي بينهما“ (شرح نخبه الفكر)

اور امام سیوطی فرماتے ہیں:

المنكر الذي روى غير الثقه
قابل للمعروف والذي رأى
مخالفا في نخبه قد حققه
ترادف المنكر والشاذ نأى

حدیث مرسل کی صورت مختلفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”أحدها اذا انقطع الاسناد قبل الوصول الى التابعي فكان فيه رواية ولم يسمع من المذکور فوقه ----- لا يسمى مرسلا“ (علوم الحديث ص ٣٤)
علامہ عراقیؒ اس پر تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله قبل الوصول الى التابعي ليس بجيد بل الصواب قبل الوصول الى الصحابي فانه لوسقط التابعي ايضه
كان منقطعا لا مرسلا عند هؤلاء“ (التقييد والايضاح ص ٥٥)

”معرفة الاسماء والكنى“ Lesson میں ان روایات پر بحث کرتے ہوئے جن کے نام کنیت جیسے ہیں اور ان کی کنیت بھی ہے۔ ایک یہ نام بھی بتلاتے ہیں۔ ابو بکر بن عبد الرحمن یعنی جو فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔ ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کا نام ابو بکر اور کنیت ابو عبد الرحمن تھی۔ لیکن انہیں یہاں بطور مثال پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام اور کنیت ایک ہی تھی جیسا کہ امام ابن ابی حاتم اور علامہ عراقیؒ نے فرمایا ہے۔
یہ اور اس طرح کے چند دیگر مقامات ہیں جن میں ائمہ فن نے امام ابن الصلاحؒ سے اختلاف کیا ہے۔ تاہم اس سے ”علوم الحدیث“ کی اہمیت و عظمت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کی امتیازی و انفرادی شان بدستور قائم رہتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

ایک عظیم فریضہ اور ہماری غفلت

جناب محمد عظیم الدین (بی۔ کام) ص۔ ب۔ ۶۶۱۔ جدہ

تقریباً تین صدیاں قبل انگریزی زبان میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ ہوا پھر اس کے بعد کئی تراجم منظر عام پر آئے اور اب لاکھوں کی تعداد میں یہ تراجم انگریزی داں نو مسلموں اور قرآن سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کے زیر مطالعہ ہیں لیکن افسوس کہ ان تراجم میں نہ صرف یہ کہ بہت سی فحش اغلاط ہیں بلکہ بعض تو گمراہ کن ہیں مگر حیرت ہے کہ اس شدید المناک صورت حال کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ طرہ یہ کہ بعض چوٹی کے اسلامی ادارے انہی غلط سلط تراجم کو فراخ دلی سے مفت تقسیم کر رہے ہیں لیکن ان کی تصحیح اور اصلاح کا کسی کو خیال تک نہیں حالانکہ اس وقت دنیائے اسلام میں سینکڑوں ایسے حضرات موجود ہیں جو قرآنی مفاہیم سے خوب واقفیت رکھنے کے ساتھ ساتھ انگریزی داں بھی ہیں اور اس کام کو بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔

برادرانِ اسلام! اس مقدس کتاب کے الفاظ و معانی کی حفاظت کی ذمہ داری حامل قرآن امت یعنی ہم پر ہے۔ خدا نخواستہ اگر ہم اس میں ناکام رہے تو ہم پچاس ہزار سالہ یوم حساب میں (جب کہ مسئولیت کے خوف انبیاء کرام بھی ”نفسی نفسی“ پکاریں گے) اللہ جبار و قہار کے سامنے کیا عذر پیش کریں گے جس وقت نبی اکرم ﷺ ان الفاظ میں ہماری شکایت کریں گے۔

يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا (الفرقان: ۳۷)

اے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

سوچئے کس کی عدالت ہوگی؟ کون مدعی ہوگا؟ اور کیا دعوئے؟ ہمارے پاس کیا جواب ہوگا؟

مندرجہ بالا تلخ اور دل خراش تصریحات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے چند عاجز بندوں نے اپنے عظیم فریضہ کا احساس کرتے ہوئے (بتوفیق الہی) اس کارِ خیر کا بیڑا اٹھایا ہے کہ مروجہ انگریزی تراجم کی اغلاط کی نشاندہی کر کے انہیں چھپو کر مفت تقسیم کیا جائے۔ (ان شاء اللہ) فی الحال ان اغلاط کی علیحدہ طبع ہی کا ادارہ ہے۔ اس عظیم مقصد کے لئے ہمیں ماہر قرآن و انگریزی دان علماء کا تعاون درکار ہے جو بطریق احسن اس کام کو سرانجام دے سکیں۔ (ابتدائی اخراجات کا بوجھ کسی بھی فرد پر نہیں ڈالا جائے گا۔) پاکستان میں درج ذیل پتوں پر رابطہ قائم کیجئے۔

1. جناب محمد مسعود صاحب، سی، ایس، پی۔ ۷۷۱۱۱، اے باتھ آئیلینڈ کراچی

2. جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، کوثر روڈ، اسلام پورہ لاہور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع اور منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ